تنبیہات

شرح کشف الشبہات

(آخری نسخہ ۱۴۴۱ھ)

تالیف:

عبد اللہ محمد الجہنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله المتفرد بالكمال والجلال والجمال المتفضل على عباده بجزيل النوال واشهد الا الہ الا الله وحده لا شريك لہ و اشهد ان محمدا عبده ورسولہ، صل اللهم عليہ و على آلہ وصحابتہ اجمعين والتابعين لهم باحسان الى يوم الدين.....اما بعد:

یہ امام محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی کتاب "كشف الشبهات" کی مختصر شرح ہے۔ میں نے اس میں شیخ کے مقصد کو قارئین تک پہچانے اور ان کی عبارتوں کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے اس شرح کا نام "التنبيهات في شرح كتاب كشف الشبهات" رکھا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ اس کتاب کو نفع بخش بنائے اور شیخ رحمہ اللہ کو مسلمانوں کی طرف سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔

وصَلِّ اللهم على نبينا محمد وعلى آلہ وصحبہ وسلم۔

اس کتاب کی شرح کا آغاز کرنے سے پہلے بہتر یہ ہے کہ اس کتاب کے چند پہلوؤں پر بات کی جائے۔ جو مندرجہ ذیل ہیں:

ا۔ اس کتاب کی اہمیت:

اس کتاب کا شمار اعتراضات اور شکوک وشبہات کے رد میں لکھی گئی کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ کتاب اپنی معمولی ضخامت کے باوجود توحید عبادت اور اس کے منافی امور سے متعلق معتدبہ علم پر مشتمل ہے۔

شیخ سلیمان بن سحمان کہتے ہیں: چھوٹی ضخامت کے باوجود اس کتاب کا فائدہ عظیم الشان ہے۔ یہ ایک جلیل القدر تالیف ہے جس سے اللہ کے دشمنوں کا خاتمہ ہو گیا اور اللہ کے اولیاء کو اس سے بہت فائدہ پہنچا۔

علماء اور دینی علوم کے طلبہ نے اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اسے زبانی یاد کیا، اس کی شرحیں لکھیں، اس پر نوٹ چڑھائے، مساجد کے اندر اس کا درس دیا۔ آج تک اس کتاب سے فائدہ اٹھانے کا سلسلہ جاری ہے وللہ الحمد۔

۲۔ سبب تالیف:

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے جب علم و عمل کے ذریعہ اپنی دعوت کو عام کیا، کتاب التوحید کی تالیف کا آغاز کیا، قبروں پر تعمیر شدہ گنبدوں کو منہدم کر دیا، شرک کو کھول کھول کر بیان کیا اور اس کے خلاف محاذ قائم کیا[1] اور توحید الوہیت کے بارے میں اہل سنت والجماعت کے موقف کو بیان کیا تو شیخ رحمہ اللہ اور ان کی دعوت کے تعلق سے شبہات پیدا کرنے کی

(۱) ابن غنام کا قول ہے: امام محمد بن عبد الوہاب کے زمانے میں لوگوں کی غالب اکثریت گندگی، آلودگی اور نجاستوں میں لت پت تھی۔ یہاں تک کہ سنت مطہرہ کی روشنی ماند پڑ جانے اور نور ہدایت کا چراغ بجھ جانے کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو گئے، وہ لوگ باقاعدہ طور پر اولیاء و صالحین کی عبادت کرنے لگے اور دین اسلام اور عقیدۂ توحید کا قلادہ اپنی گردنوں سے اتار پھینکا۔ مصیبت اور پریشانی کے وقت اہتمام کے ساتھ ان سے فریاد کرنے لگے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کوشش کی گئی، علمائے سوء نے ان کے خلاف محاذ سنبھال لیا اور لوگوں کو شیخ سے بچنے کی تاکید کرنے لگے۔[1] ان لوگوں نے شیخ رحمہ اللہ کی دعوت کے بارے میں شکوک وشبہات کا طوفان کھڑا کرکے آپ کی مخالفت شروع کردی۔ ان لوگوں نے شیخ کے خلاف جو باتیں کہنی شروع کیں ان میں بظاہر علم کا پہلو تھا لیکن اس میں باطل کی آمیزش بھی تھی جس کی وجہ سے انھوں نے جاہلوں اور کم علم لوگوں کو مغالطہ میں ڈال دیا۔ اس صورت میں شیخ رحمہ اللہ شبہات کو دور کرنے اور تلبیسات ومغالطہ آمیزی

= شیخ عبدالرحمٰن بن حسن کہتے ہیں: دسویں صدی ہجری کے اخیر اور اس کے بعد کے زمانے میں نجد وحجاز میں کوئی ایسا عالم نظر نہیں آتا جس نے توحید کی بات کی ہو اور اس کی دعوت دی ہو، شرک کی حقیقت اور اس کے مظاہر کو بیان کیا ہو اور اس میں ملوث ہونے سے روکا ہو، یہاں تک کی اللہ تعالیٰ نے شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کو ظاہر کردیا (الدرالسنیۃ (۱۱/ ۵۷۲))

شیخ عبدالطیف بن عبدالرحمٰن بن حسن کہتے ہیں: شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے زمانے میں ان کے دیار کے لوگوں کا یہ حال ہو گیا تھا کہ ان کے معاشرہ میں اسلام کی اجنبیت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی، دین کے آثار ونشانات دھندلے پڑ گئے تھے، ملت حنیفیت کی بنیادیں منہدم ہوگئی تھیں، اکثر لوگ زمانہ جاہلیت کے امور واعمال انجام دینے لگے تھے، اس دور میں شریعت کے نقوش مٹ چکے تھے۔ جہالت اور تقلید کا غلبہ تھا، لوگ قرآن وسنت سے منہ موڑ چکے تھے، بچہ اس حال میں جوان ہوتا تھا کہ وہ دین اسی کو سمجھتا جو اس کے دیار میں موجود تھا، بڑا اس حال میں بوڑھا ہو جاتا تھا کہ وہ اپنے آباء واجداد کی تقلید ہی کو دین سمجھتا تھا، شریعت کے نقوش مٹ چکے تھے اور قرآن کے نصوص وسنت کے اصول پر عمل کرنے کا کوئی جذبہ لوگوں کے اندر باقی نہیں بچا تھا۔

(۱) دکتور عبداللہ عثیمین نے ان لوگوں کی تعداد اور ان کے مختلف قسم کے موقف کا تذکرہ کیا ہے جو اس وقت نجد میں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ کہتے ہیں: شیخ رحمہ اللہ کے ذاتی رسائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ان کی دعوت کو کچھ علمائے نجد کی طرف سے سخت مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ کوئی اس کا صحیح طریقہ سے جائزہ لے تو اسے معلوم ہوگا کہ بیس سے زائد علماء یا طلبہ مختلف اوقات میں شیخ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان مخالفین میں سرفہرست عبداللہ بن مویس حرم سے اور سلیمان بن سحیم ریاض سے تھے۔ شیخ کے رسائل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مخالفین کے موقف یکساں نہیں تھے۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو آخری دم تک ان کی مخالفت کرتے رہے مثلاً مویس، کچھ ایسے تھے جنہوں نے شروع میں تسلیم کیا تھا کہ شیخ کی مکمل دعوت یا کچھ حصہ صحیح ہے لیکن گردش ایام کے ساتھ ان لوگوں نے اپنا موقف تبدیل کرلیا مثلاً ابن سحیم اور کچھ ایسے بھی تھے جو نہ تو ان کے مؤیدین میں تھے اور نہ مخالفین میں مثلاً عبداللہ بن عیسیٰ۔

کے ازالہ کے لئے کمربستہ ہوئے۔ شیخ کی ان مبارک کوششوں کے نتیجہ میں یہ کتاب وجود میں آئی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حق کو ظاہر وباہر کردیا اور باطل کو مٹادیا۔

مختصر ہے کہ یہ کتاب شیخ رحمہ اللہ کے مخالفین کے اٹھائے گئے شبہات کا جواب ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر اس کتاب میں خود وضاحت کردی ہے کہ میں اس کتاب میں آپ کے لئے چند ایسی چیزیں ذکر کروں گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے۔ میری یہ باتیں دراصل ہمارے زمانے کے ان مشرکین کی ان باتوں کا جواب ہیں جن کے ذریعہ ان لوگوں نے میرے خلاف حجت قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔

۳۔ کتاب کے مشتملات:

اس کتاب کو مندرجہ ذیل تین حصے میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

ا۔ مقدمہ: اس کے تحت شیخ رحمہ اللہ نے کئی باتوں کو ذکر کیا ہے مثلاً توحید عبادت کی تعریف، یہ وضاحت کہ یہ سارے رسولوں کا دین ہے۔ اس کے بعد انہوں نے عقیدہ وعمل کے اعتبار سے کفار قریش کے احوال بیان کئے ہیں۔ پھر وہ سبب بیان کیا ہے جس کی بناپر ان کی جان ومال کو حلال کیا گیا اور وہ ہے اپنی ذات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنانا۔ پھر شیخ نے واضح کیا ہے کہ ان کے زمانہ کے بیشتر لوگوں کی یہی حالت ہے (بلکہ ہمارے اِس دور میں بھی بہت سے لوگوں کی یہی حالت ہے کہ وہ اپنی ذات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بناتے ہیں) پھر شیخ نے ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ جنہیں واسطے بناتے ہیں انہیں وہی نام دیتے ہیں جو کفار نے (معبود) کا نام دیا تھا جبکہ وہ معبود نہیں ہیں مثلاً یہ لوگ جنہیں واسطہ بناتے ہیں ان میں سے کسی کو (آقا) کسی کو (رازدار) کسی کو (ولی) اور کسی کو (شیخ) کا نام دیتے ہیں۔ یہ لوگ ان کے لئے وہی اعمال کرتے ہیں جو مشرکین اپنے معبودوں کے لئے کیا کرتے تھے بلکہ یہ لوگ ان سے کچھ زیادہ ہی کرتے ہیں۔

شیخ نے مقدمہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے ہر نبی کا ایک دشمن بنایا جو جاہلوں کو شبہات کے ذریعہ مغالطہ میں ڈال کر اللہ کے دین سے روکتا تھا۔ انہوں نے یہ بتایا ہے کہ اسطرح کے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے علم کے ہتھیار سے لیس ہونا ضروری ہے۔

اہمیت کے حامل اس مقدمہ سے شیخ کا اصل مقصد اس سبب کو بیان کرنا ہے جس نے مشرکین کی جان ومال کو حلال کر دیا۔ یہ بعینہ وہی کام ہے جسے شیخ کے زمانے کے لوگ انجام دے رہے تھے، یعنی اپنی ذات اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنانا۔ اس شرک کی وجہ سے ان کے اچھے اعمال بھی انھیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے تھے جن کے ذریعہ وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اسی طرح اس شرک کے ساتھ ان کا توحید ربوبیت کا اقرار یا ربوبیت کے اکثر عناصر کو تسلیم کرنے سے بھی انھیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔

شیخ کا یہ مقدمہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کو زبانی یاد کرنے کی وجہ سے توحید الوہیت کے بارے میں پیدا کئے جانے والے بیشتر شبہات کی تردید میں مدد ملتی ہے۔

اپنی کتاب کو اس مقدمہ سے شروع کرنا شیخ کی فقہی بصیرت اور ان کے حسن تصنیف کی دلیل ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ نے ایک ایسا مقدمہ تحریر کیا ہے جو رسولوں کے لائے ہوئے دین اور ان کی پیش کردہ دعوت کی حقیقت اور مشرکین کے دین اور ان کے عقائد و اعمال کو جاننے کے معاملہ میں بہت زیادہ نفع بخش ہے۔ انسان کو شبہات کا سامنا کرتے وقت رسولوں کے دین کی حقیقت کو جاننا چاہیے۔ نیز یہ بھی جاننا چاہیئے کہ رسولوں کے دین پر کون لوگ ہیں اور مشرکین کے دین کو کس نے اختیار کر رکھا ہے۔ شیخ نے مقدمہ میں واضح کر دیا ہے کہ ان کے زمانہ کے مشرکین قدیم مشرکین کے دین کی اتباع کرنے والے ہیں۔

۲۔ اصل موضوع: شیخ رحمہ اللہ نے اس کے تحت مشرکین کے شبہات کا ذکر کیا ہے نیز اُن شبہات کے جوابات دے کر ان کا رد کیا ہے۔ یہ کل گیارہ شبہات ہیں۔ کبھی انہوں نے ایک شبہ کا ایک جواب دے کر رد کیا ہے اور کبھی ایک سے زائد جوابات دیئے ہیں۔

۳۔ خاتمہ: شیخ نے اس کے تحت توحید کی اہمیت اور ظاہر و باطن ہر اعتبار سے اس پر عمل کے وجوب کو بیان کیا ہے۔ شیخ نے اس میں بعض نا قابل اعتبار اعذار اور حیلے و بہانے پر بھی بات کی ہے جو توحید پر عمل کی راہ میں مانع نہیں بن سکتے ہیں۔

کتاب کے عنوان کی تشریح

”الکشف“ لغوی اعتبار سے دور کرنے اور ہٹانے کے معنیٰ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”فلما کشفنا عن هم العذاب“ (جب ہم نے ان لوگوں سے عذاب کو دور کر دیا) دوسری جگہ ارشاد ہے:”لئن کشفت عنا الجز“ (اگر تو اِس مصیبت کو ہم سے دور کر دے)”الشبہات“ ”شبهة“ کی جمع ہے۔ لغوی اعتبار سے اس کے معنیٰ ہیں وہ معاملہ جو لوگوں کے لئے مشتبہ ہو جائے۔

المصباح المنیر میں منقول ہے: عقیدہ میں شبہ سے مراد ہے وہ مأخذ جو مشتبہ ہو جائے۔ اسے ”شبهة“ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ حق کے مشابہ ہوتا ہے۔

ان تعریفات اور وضاحتوں کی روشنی میں شبہ سے مراد مشتبہ معاملہ ہے، اس کے لئے جو اس شبہ کو اُٹھائے۔ اشتباہ کا سبب اس کا حق کے مشابہ ہونا ہے، یا تو نقلی دلیل کے اعتبار سے یا عقلی دلیل کی رو سے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: باطل محض لوگوں پر مشتبہ نہیں ہوتا ہے۔ جب باطل کے ساتھ حق کی تھوڑی آمیزش ہوتی ہے تو وہ لوگوں کے لئے مشتبہ ہو جاتا ہے۔

ان ہی کا ایک قول یہ بھی ہے: اکثر و بیشتر مسلمانوں کے درمیان وہ چیز رائج ہوتی ہے جس میں حق و باطل دونوں کی آمیزش ہو، اس لئے کے باطل محض مسلمانوں کے درمیان ٹک نہیں پاتا ہے۔

ان ہی کا یہ قول بھی ہے: خواہش پرستوں میں سے جو اس کے قول کو اختیار کرتا ہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس میں حق کی آمیزش ہوتی ہے، اس لئے کہ ہر بدعت جسے ایک بڑے طبقہ نے اختیار کر رکھا ہو اُسی حق سے نکلی ہوتی ہے جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس پر اہل سنت نے اتفاق کیا۔ حدیث کو قبول کرنا واجب ہے اور باطل کسی حال میں قابل قبول نہیں ہے۔

گویا مصنف کتاب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل باطل کا کلام اگرچہ باطل ہی ہوتا ہے تاہم وہ اس میں حق کی کچھ آمیزش کرتے ہیں جس کی وجہ سے عوام التباس میں پڑ جاتے ہیں۔ ان کے لئے اس کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ باطل کو حق سمجھ بیٹھتے ہیں۔

اِسی لئے انہوں نے یہ رسالہ تحریر کیا تاکہ توحید عبادت کے بارے میں اِن اعتراضات و اشکلات کا اِزالہ ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فاذا هو زاهق ولكم الويل مما تصفون" (بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پھر سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اسی وقت نابود ہو جاتا ہے، تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لئے باعث خرابی ہیں)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ "الجواب الصحیح" میں رقم طراز ہیں: جب حق کا انکار کیا جاتا ہے اور شبہات کے ذریعہ اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو اللہ روشن دلائل اور واضح براہین کے ذریعہ اُسے ظاہر کر دیتا ہے۔ پھر جن باطل حجتوں کے ذریعہ حق کی مخالفت کی جاتی ہے اس کا فساد لوگوں کے سامنے واضح ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نشانیوں اور دلائل کے ذریعہ حق کو باطل سے، ہدایت کو گمراہی سے، سچائی کو محال سے، کجی کو راہ راست سے، صلاح کو فساد سے اور خطا کو درستگی سے الگ کر دیتا ہے، یہ ان لوگوں کے لئے آزمائش کی طرح ہے جو خبیث اور طیب کے درمیان تمیز کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے کتنی عمدہ بات کہی ہے: اللہ تعالیٰ نے علم حجت کو سلطان کا نام دیا ہے، اس لئے کہ یہ صاحب حجت کے تسلط و اقتدار کو یقینی بناتا ہے۔ صاحب حجت کو اپنی حجت کے ذریعہ جاہلوں پر تسلط و اقتدار حاصل ہوتا ہے بلکہ علم کا اقتدار و غلبہ تو ہاتھ کے غلبہ سے زیادہ عظیم الشان ہوتا ہے۔ اِسی وجہ سے جس طرح لوگ حجت و دلیل کے سامنے جھک جاتے ہیں اُس طرح قوت و اقتدار کے سامنے بھی نہیں جھکتے ہیں۔ حجت کے سامنے انسانی قلوب سپر ڈال دیتے ہیں اور قوت و اقتدار کے سامنے انسانی جسم ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ حجت و دلیل دلوں کو اسیر بنا لیتی ہے اور اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کرتی ہے۔ حجت کے سامنے مخالف کو بھی جھکنا پڑتا ہے، اگرچہ وہ بظاہر عناد و تکبر کا مظاہرہ کرے، لیکن اس کا دل حجت کے سامنے جھک جاتا ہے۔ یہ اس کے غلبہ کے سامنے مغلوب ہو جاتا ہے، بلکہ جاہ و منصب کے غلبہ و اقتدار کے ساتھ اگر علم نہ ہو جس کی روشنی میں امور مملکت کو انجام دیا جا سکے تو یہ درندوں اور اژدھوں کے غلبہ و اقتدار کی طرح ہوتا ہے۔ اس میں قدرت تو ہوتی ہے لیکن اس میں علم کی روشنی اور رحمدلی کا جذبہ نہیں ہوتا۔ حجت کے غلبہ و اقتدار کا معاملہ اِس کے برخلاف ہے، اِس میں علم، رحمدلی اور حکمت کے ذریعہ قدرت حاصل ہوتی ہے۔ جسے علم کا اقتدار و غلبہ حاصل نہ ہو تو اس کا سبب یا تو حجت کی کمزوری ہوتا ہے یعنی اس کی حجت غالب آنے کی صلاحیت سے محروم ہوتی ہے یا پھر وہ ظاہری طاقت اور تلوار کے بل بوتے پر غلبہ و اقتدار حاصل کئے ہوتا ہے،

ورنہ حجت تو اپنی مدد آپ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے،اس کے اندر باطل پر غلبہ پانے اور اسے مغلوب کر دینے کی بھرپور صلاحیت ہوتی ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ کی بات ختم ہوئی۔

حق کو واضح کرنا اور ٹھوس حجت کے ذریعہ باطل کو بے نقاب کرنا اسلام کے عظیم الشان مقامات میں سے ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جس نے ملحدین اور اہل بدعات سے ایسا مناظرہ نہ کیا جو ان کی جڑ کاٹ دے اُس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا، نہ علم وایمان کے تقاضے اور ذمہ داریوں کو پورا کیا، اس کے کلام سے دلوں کو شفا اور نفوس کو اطمینان حاصل ہوا نہ اس کے کلام نے علم اور یقین کو کوئی فائدہ پہنچایا۔

یہاں پر میں بطور خاص ایک کتاب "دعاوی المنائین" کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو فاضل شیخ عبد العزیز آل عبد اللطیف کی تالیف ہے۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ جسے بھی توحید کے موضوع سے شغف ہو وہ بہر صورت اس کتاب سے استفادہ کرے۔ مولف نے سخت محنت و جانفشانی کے ساتھ اس کتاب کی تالیف کی ہے۔ انہوں نے اس کتاب میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کی دعوت کے خلاف پیدا کئے گئے شکوک وشبہات کو ان کے اصل مصادر سے جمع کیا ہے اور ان کا مسکت و دندان شکن جواب دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولف کتاب کو ہر خیر کی توفیق ارزانی کرے۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ اللہ کے دین کی نصرت و تائید اور توحید خالص وصاف ستھرے عقیدے کو عام کرنے کے لئے اِس کتاب کی اشاعت میں حصہ لے۔ خاص طور پر جن علاقوں میں شرک پھیل چکا ہے وہاں اِس کتاب کی اشاعت و تقسیم ہونی چاہئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے، آپ یہ بات جان لیں کہ توحید صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کا نام ہے۔ یہی تمام رسولوں کا لایا ہوا دین ہے۔ اِسی دین کے ساتھ اللہ نے ان سب کو اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے مبعوث کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں۔ اللہ نے انھیں ان کی قوم میں مبعوث کیا تھا جب وہ لوگ ود، سواع، یغوث، یعوق، اور نسر کے ناموں سے موسوم صالحین کے معاملہ میں غلو کرنے لگے تھے۔

سب سے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنھوں نے ان نیک لوگوں کے نام سے بنائی گئی مورتیوں کو توڑا تھا۔

اس اقتباس کا خلاصہ: یہ ہے کہ وہ توحید جس کی تمام رسولوں نے دعوت دی اور جسے تسلیم کرنے کا سب لوگوں سے مطالبہ کیا گیا وہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ اکثر جگہوں پر توحید اور شرک کی تعریف بیان کرتے ہیں اور عام طور پر توحید سے توحید عبادت اور شرک سے عبادت میں شرک مراد لیتے ہیں، اس لئے کہ سب سے بڑا خلل اور انبیاء اور ان کی قوموں کے درمیان سب سے بڑا اختلاف توحید کی اِسی قسم کو لے کر ہوا۔ کلمہ لا اِلٰہ اِلا اللہ کی عملی تطبیق کا یہی مطلب بھی ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحي اليہ انہ لا الہ الا انا فاعبدون " (تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ان رسولوں نے توحید ربوبیت کے تعلق سے لوگوں کی بدعقیدگی اور غلطیوں کی اصلاح نہیں کی بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کی اُن رسولوں اور اُن کی قوموں کے درمیان سب سے زیادہ اختلاف اور مخالفتیں توحید الوہیت کو لے کر ہوئیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [بسم اللہ الرحمٰن الرحیم]

اصول ثلاثہ کی شرح میں بسم اللہ کے تعلق سے کلام گزر چکا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [اعلم] (آپ یہ بات جان لیں)

اس کلمہ کا استعمال اُن اہم چیزوں کو بیان کرتے وقت ہوتا ہے جن کی طرف علم سیکھنے والوں کو خصوصی طور پر دھیان دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔

شیخ حافظ حکمی اپنی کتاب "معارج القبول" میں لکھتے ہیں: (اعلم) ایسا کلمہ ہے جسے اہتمام اور اس کلمہ کے بعد جو بات کہی جارہی ہے اس پر غور وفکر کی ترغیب دینے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ نے اِس کتاب میں جن حقائق کو ثابت کیا ہے وہ اس لائق ہیں کہ ان کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی جائے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [رحمک اللہ] (اللہ آپ پر رحم کرے)

یہ پڑھنے اور سننے والے کے لئے مصنف رحمہ اللہ کی دعا ہے۔ اس سے ان کے اچھے ارادہ اور اچھی دعوت کا پتہ چلتا ہے۔ ہم انھیں ایسا ہی سمجھتے ہیں ورنہ اصل محاسب تو اللہ کی ذات ہے۔ اصول ثلاثہ کی شرح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اچھے الفاظ کا استعمال اور اچھی نیت و ارادہ سے دعوت کا کام کرے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [توحید کا مطلب ہے صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا]

مصنف رحمہ اللہ نے اِس جملے میں توحید کی تعریف اس کے کچھ عناصر کے ذریعہ کی ہے یا توحید کے عناصر میں سب سے مہتم بالشان عنصر توحید الوہیت کے ذریعہ اس کی تعریف کی ہے۔ اس لئے کہ اِسی معاملہ میں رسولوں اور ان کی قوموں کے درمیان سب سے زیادہ اختلافات ہوئے۔

رسولوں نے اپنی قوموں کو ایک اللہ کو خالق و رازق ماننے اور ربوبیت کے دیگر عناصر کو ماننے کی دعوت نہیں دی، اس لئے کہ وہ لوگ اس کا اقرار کرتے تھے۔ اس کے بجائے رسولوں نے اپنی قوموں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے اور اُسی کو مرکزِ توجہ بنانے کی دعوت دی۔

کلمۂ لا إلہ إلا اللہ کی عملی تطبیق کا مطلب و ماحصل یہی توحید الوہیت ہے۔ اگرچہ یہ کلمہ ضمنی طور پر توحید ربوبیت اور توحید اسماء وصفات پر بھی دلالت کرتا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ اپنی تحریروں میں اکثر و بیشتر توحید الوہیت کو بیان کرنے کے لئے اِس عبارت کا سہارا لیتے ہیں۔ یہ توحید الوہیت کا سب سے اچھا اور سب سے مختصر تعارف ہے۔ توحید کی تعریف اور اس کی قسموں کا بیان کتاب التوحید کی شرح میں گزر چکا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [یہی ان رسولوں کا دین(۱) ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی طرف مبعوث کیا تھا]

اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ تمام رسولوں نے اپنی قوموں کو اللہ کی وحدانیت اور صرف اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولقد بعثنا في كل أمة رسولاً أن اعبدوا الله واجتنبوا الطاغوت" (ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو!) صرف اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا تمام معبودوں سے بچو) دوسری جگہ ارشاد ہے: "وما

(۱) دین سے مراد وہ چیز ہے جس کا انسان اعتقاد رکھتا ہے، چاہے وہ حق ہو یا باطل۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "لكم دينكم ولي دين" (تمہارے لئے تمہارا دین اور میرے لئے میرا دین ہے)

أرسلنا من قبلك من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون"(تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری عبادت کرو)

عقیدۂ توحید کے معاملہ میں تمام رسولوں کی دعوت ایک ہے اور شرائع واحکام میں ان کی دعوت ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ عقیدۂ توحید کے معاملہ میں اللہ کا ارشاد ہے:"وما أرسلنا من قبلك من رسول إلا نوحي إليه أنه لا إله إلا أنا فاعبدون"(تجھ سے پہلے بھی جو رسول ہم نے بھیجا اس کی طرف یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود برحق نہیں پس تم سب میری ہی عبادت کرو)

رسولوں کی مختلف شریعتوں کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"لكل جعلنا منكم شرعة ومنهاجاً" (تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"ہم انبیاء سوکنوں کی اولاد ہیں، ان کی مائیں الگ الگ ہیں، ان سب کا دین ایک ہے" (متفق علیہ)

کچھ روایتوں میں "ابناء" کے بجائے "اولاد" اور "إخوة" کے الفاظ آئے ہیں۔ حدیث میں وارد لفظ "علات" کے معنیٰ سوکنیں ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تمام انبیائے کرام کا دین ایک ہے۔ سارے انبیاء علاتی بھائی ہیں یعنی جن کے باپ ایک ہوں اور مائیں مختلف ہوں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو یہ سب "اولاد اخیاف" کہلاتے اور اگر ان سب کے ماں باپ ایک ہوتے تو "اولاد اعیان" کہلاتے۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [سب سے پہلے رسول نوح علیہ السلام ہیں] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"إنا أوحينا إليك كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده"(یقیناً ہم نے آپ کی طرف اُسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح(علیہ السلام) اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی)

حدیث شفاعت میں منقول ہے کہ قیامت کے دن لوگ نوح علیہ السلام سے کہیں گے: ”آپ زمین والوں کی طرف مبعوث کئے گئے سب سے پہلے رسول ہیں۔“(متفق علیہ) [1]

---

(۱) مسئلہ: آدم علیہ السلام رسول تھے یا صرف نبی تھے؟ اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اکثر علماء کا موقف یہ ہے کہ وہ نبی ہیں۔ اس کی دلیل شفاعت سے متعلق حدیث ہے جس میں آیا ہے کہ لوگ نوح علیہ السلام سے کہیں گے: آپ زمین والوں کی ہدایت ور ہنمائی کے لئے بھیجے گئے سب سے پہلے رسول ہیں۔ (متفق علیہ)

مسئلہ: ادریس علیہ السلام کے بارے میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے یا ان کے بعد تھے۔ مورخین کا موقف یہ ہے کہ وہ نوح علیہ السلام سے پہلے تھے۔ طبری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ انساب کے ماہرین کا کہنا ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے جد (دادا) ہیں۔ ابن تیمیہ اور ابن کثیر وغیرہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام بخاری کی عبارت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔

امام بخاری نے ان الفاظ کے ساتھ باب قائم کیا ہے: ادریس علیہ السلام کا تذکرہ، وہ نوح علیہ السلام کے والد کے دادا ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔

اس سے پہلے کے باب میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے: عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے منقول ہے کہ الیاس ہی ادریس ہیں۔

ابن حجر کہتے ہیں: گویا کہ امام بخاری کے نزدیک راجح یہ ہے کہ ادریس نوح کے اجداد میں سے نہیں ہیں، اسی لئے انہوں نے اس قول کو بعد میں ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام بخاری کے قول سے ایسا ہرگز ظاہر نہیں ہوتا ہے۔

قرطبی کا موقف یہ ہے کہ ادریس علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں۔ اس کی دلیل اسراء و معراج سے متعلق حدیث ہے جو آگے آئے گی۔ اسی طرح ہمارے شیخ ابن عثیمین کا موقف بھی یہی ہے کہ ادریس نوح کے بعد ہیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ”كما أوحينا إلى نوح والنبيين من بعده“ (جیسا کہ ہم نے نوح اور ان کے بعد کے نبیوں کی طرف وحی کی) نیز اس کی دلیل حدیث شفاعت بھی ہے جس میں آیا ہے کہ لوگ کہیں گے کہ نوح سب سے پہلے رسول ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

= ابن حجر کہتے ہیں: اس سے ابو بکر بن العربی نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ادریس نوح کے دادا نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، اس لئے کہ الیاس کے بارے میں آیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھے۔ انہوں نے اس کی دلیل یہ دی ہے کہ قیامت کے دن ادریس علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہیں گے: "نبی صالح اور برادر صالح کا استقبال ہے۔" اگر ادریس علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہوتے تو آدم وابراہیم علیہما السلام کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو "صالح فرزند" کہتے۔ یہ استدلال اچھا ہے لیکن اس کا جواب یہ دیا جا سکتا ہے کہ ادریس علیہ السلام نے وہ جملہ ازراہ تواضع وتلطف کہا، یہ کوئی نص نہیں ہے جیسا کہ انہوں نے سمجھا ہے۔

ابن کثیر قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں: کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام سے پہلے نہیں تھے، بلکہ وہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں تھے۔ امام بخاری کہتے ہیں: ابن مسعود اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے منقول ہے کہ الیاس ہی ادریس ہیں۔ ان لوگوں نے معراج کے تعلق سے انس رضی اللہ عنہ سے منقول زہری کی اس روایت کو اپنے پیش نظر رکھا ہے: جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ادریس علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو انہوں نے کہا: برادر صالح اور نبی صالح کا استقبال ہے۔ انہوں نے آدم وابراہیم علیہما السلام کی طرح یہ نہیں کہا: نبی صالح اور فرزند صالح کا استقبال ہے۔ ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادریس علیہ السلام کے سلسلۂ نسب میں ہوتے تو وہی بات کہتے جو آدم اور ابراہیم علیہما السلام نے کہی تھی۔

کسی بھی حال میں یہ دلیل نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ راوی نے بات کو اچھی طرح یاد نہیں کیا ہوتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ ادریس علیہ السلام نے وہ بات ازراہ ہضم وتواضع کہی ہو اور خود کو تمام انسانوں کے باپ آدم اور ابراہیم خلیل الرحمٰن کی طرح مقام ابوت پر فائز نہ سمجھتے ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابراہیم علیہ السلام اولوالعزم رسولوں میں سب سے بڑے تھے۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

ابن تیمیہ اپنی کتاب النبوات میں نوح علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں: صحیح میں منقول روایت سے یہ ثابت ہے کہ وہ زمین والوں کی طرف مبعوث کئے گئے سب سے پہلے رسول تھے۔ ان سے پہلے شیث وادریس علیہما السلام نبی ہوئے تھے اور ان دونوں سے پہلے آدم علیہ السلام نبی ہوئے جنہیں اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔

ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: کچھ لوگوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے دادا ہیں۔ لیکن یہ موقف محل نظر ہے۔ اس لئے کہ اگر ابن عباس کا یہ اثر ثابت ہو جائے کہ الیاس ہی ادریس ہیں تو اس سے یہ لازم ہو جائے گا کہ ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کی اولاد میں ہیں، نہ یہ کہ نوح علیہ السلام ادریس علیہ السلام کی اولاد میں ہیں کیونکہ سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ونوحا هدينا من قبل ومن ذريته داود وسليمان" اسی آیت

نوح علیہ السلام سے پہلے تمام لوگ عقیدۂ توحید پر تھے، اگر چہ ان سے کوتاہیوں اور گناہوں کا صدور ہوتا تھا لیکن وہ کفر وشرک میں ملوث نہیں ہوئے تھے۔ روئے زمین پر سب سے پہلے نوح علیہ السلام کی قوم نے شرک کا ارتکاب کیا۔ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام کے درمیان دس صدیوں یا دس نسلوں کا فاصلہ ہے۔ اس درمیان تمام لوگ اسلام پر تھے۔ [1]

ابن کثیر قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں: مختصر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو تب مبعوث کیا جب بتوں اور باطل معبودوں کی عبادت کی جانے لگی اور لوگ کھلم کھلا کفر اور گمراہی کی راہ پر چل پڑے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ کرتے ہوئے نوح علیہ السلام کو ان کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث کیا۔ وہ زمین والوں کے لئے سب سے پہلے رسول تھے جیسا کہ قیامت کے دن میدان حشر میں جمع لوگ کہیں گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ طوفان نوح کے بعد جس نے سب سے پہلے بتوں کی پرستش کی وہ قوم ثمود ہے۔ یہی لوگ عاد اولیٰ کہلاتے ہیں۔ یہ سخت دل عرب تھے جنہوں نے احقاف کے نام سے موسوم ریت کے پہاڑوں میں سکونت اختیار کی تھی۔ ابن کثیر کے بقول: یہ جگہ عُمان اور حضر موت کے درمیان یمن میں واقع تھی۔ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ واضح کیا ہے کہ طوفان نوح کے بعد سب سے پہلے قوم ثمود بت پرستی میں مبتلا ہوئی اِس کی صراحت اس آیت سے ہوتی ہے جس میں ہود علیہ

کے آخر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)= میں "وعیسی وإلیاس" آیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ الیاس نوح کی اولاد میں سے ہیں۔ "ومن ذریتہ" میں "ہ" ضمیر کو چاہے نوح کی طرف لوٹائیں یا ابراہیم کی طرف، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کیونکہ ابراہیم بھی نوح کی اولاد میں سے ہیں۔

(۱) کئی اہل علم نے اس اثر کو صحیح بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان لوگوں نے ابن کثیر کی اتباع میں ایسا کیا ہے، اس لئے ابن کثیر نے قصص الانبیاء میں اس اثر کو بخاری کی طرف منسوب کیا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ امام بخاری نے اسے نقل نہیں کیا ہے۔ البتہ ابن جریر اسے اپنی تفسیر میں نیز حاکم نے اس کی روایت کی ہے۔ حاکم کے بقول یہ اثر بخاری کی شرط کے مطابق ہے۔ امام ذہبی اور شیخ البانی نے ان کی موافقت کی ہے۔

اس اثر میں لفظ "قرون" استعمال ہوا جو قرن کی جمع ہے۔ اس لفظ کے مفہوم کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا اس سے مراد سو سال یا اس سے کم یا اس سے زیادہ کی مدت ہے یا اس سے مراد نسل ہے جو کسی ایک زمانہ میں ہوا کرتی ہے۔

السلام نے اپنی قوم سے مخاطب ہو کر کہا:"أو عجبتم أن جاءكم ذكر من ربكم على رجل منكم لينذركم واذكروا إذ جعلكم خلفاء من بعد قوم نوح" (اور کہا کہ تم اس بات سے تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی معرفت جو تمہارے ہی جنس کا ہے کوئی نصیحت کی بات آگئی تاکہ وہ شخص تم کو ڈرائے اور تم یہ حالت یاد کرو کہ اللہ نے تم کو قوم نوح کے بعد جانشین بنایا)اس کے بعد یکے بعد دیگرے رسولوں کی بعثت ہوئی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو نبی بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے ابراہیم علیہ السلام کو نبوت عطا کی اور توحید کی بنیاد پر بیت اللہ کی تعمیر کا حکم دیا اور ان کی اولاد نے مکہ میں سکونت اختیار کی۔ اس وقت سے زیادہ تر عرب ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے،ان کی ملت کی اتباع کرتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور اس کی توحید کا عقیدہ رکھتے تھے، دینی شعائر واحکام کے پابند تھے۔ ایک طویل عرصہ تک لوگوں کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ ایک طویل مدت گزرنے کے بعد ان کے عقائد واعمال میں انحراف کا آغاز ہوا۔[1]

عمرو بن لحی خزاعی وہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے ابراہیم علیہ السلام کی ملت کو تبدیل کیا اور لوگوں کو بت پرستی کی دعوت دی۔ ایسا تب ہوا جب وہ ملک شام پہنچا، وہاں اس نے لوگوں کو اللہ کو چھوڑ کر بتوں اور شجر وحجر وغیرہ کی عبادت کرتے ہوئے دیکھا۔ اُسے یہ اچھا لگا، اس نے اس بت پرستی کو حق سمجھ لیا۔ ان دنوں ملک شام رسولوں اور آسمانی کتابوں کے نزول کی سرزمین تھی۔ عمرو بن لحی نے اہل شام سے دریافت کیا: ان بتوں کی کیا حقیقت ہے جن کی تم عبادت کرتے ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ ان بتوں کی عبادت کرتے ہیں، اِن سے ہم بارش طلب کرتے ہیں تو یہ ہمارے لئے بارش برساتے ہیں، ہم ان سے مدد طلب کرتے ہیں تو یہ ہماری مدد کرتے ہیں۔ یہ سن کر عمرو بن لحی نے ان سے کہا: کیا تم لوگ اِن میں سے ایک بت مجھے نہیں دو

---

(۱) شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بقول: ابراہیم علیہ السلام کے ظہور کے بعد عقیدۂ توحید روئے زمین پر کبھی معدوم نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون" (اور (ابراہیم علیہ السلام) اسی کو اپنی اولاد میں بھی رہنے والی بات قائم کرگئے تاکہ لوگ (شرک سے) باز آتے رہیں)

گے تاکہ میں اسے سرزمین عرب لے جاؤں اور وہاں کے لوگ اس کی عبادت کریں۔ اہل شام نے اُسے ھبل نام کا ایک بت دے دیا۔ وہ اُسے لیکر مکہ آیا، پھر اُسے نصب کر دیا اور لوگوں کو اس کی عبادت و تعظیم کا حکم دیا۔

کچھ ہی مدت گزری تھی کہ اہل حجاز بھی مکہ والوں کے نقش قدم پر چلنے لگے، اس لئے کہ وہ بیت اللہ کے ذمہ دار و خدام اور اہل حرم تھے یہاں تک کہ اصنام پرستی کی وبا تمام قبائل عرب میں عام ہو گی۔

عمرو بن لحی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اُسے ایک جن نظر آتا تھا۔ اس جن نے اُسے بتایا کہ قوم نوح کے اصنام ود، سواع، یغوث، یعوق اور نسر جدہ میں مدفون ہیں۔ وہ جدہ پہنچا اور ان بتوں کو زمین سے کھود کر نکالا پھر انہیں لے کر تہامہ آیا اور حج کے موقع پر ان بتوں کو مختلف قبائل کے سپرد کر دیا۔ عرب قبائل ان بتوں کو لے کر اپنے اپنے علاقے میں چلے گئے۔ چنانچہ ود قبیلہ کلب کا بت ہو گیا جو عراق سے متصل ملک شام میں دومۃ الجندل کے مقام پر آباد تھے، یہ ساحل کی سمت سے مکہ کے قریب کا علاقہ تھا، یغوث بنی مراد کے قبیلہ بنی غُطیف کا بت ہو گیا جو سبا کے علاقہ میں جرف کے مقام پر رہائش پذیر تھے، یعوق قبیلہ ہمدان کا بت ہو گیا جو یمن میں خیوان کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ خیوان ہمدان کے ایک اہم قبیلہ کا بھی نام ہے، نسر قبیلہ حمیر کا بت ہو گیا جو ذی الکلاع کی آل و اولاد میں سے تھے، یہ لوگ حمیر میں آباد تھے۔

ابن کثیر کہتے ہیں: عمرو، لحی بن قمعہ کا فرزند ہے۔ یہ قبیلہ خزاعہ کے سرداروں میں سے تھا۔ قبیلہ جرہم کے بعد اِسی قبیلہ نے بیت اللہ کی سرپرستی حاصل کی تھی۔ یہ عمرو بن لحی پہلا شخص ہے جس نے ابراہیم خلیل اللہ کے دین کو تبدیل کیا۔ اُسی نے بتوں کو حجاز میں داخل کیا اور گرے پڑے لوگوں کو ان بتوں کی عبادت اور ان سے تقرب حاصل کرنے کی دعوت دی اور اُسی نے چوپایوں وغیرہ کے سلسلہ میں جاہلی شریعت کا آغاز کیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام میں ارشاد فرمایا ہے: "وجعلوا لله مما ذرأ من الحرث والأنعام نصيباً فقالوا هذا لله بزعمهم و هذا لشركائنا فما كان لشركائهم فلا يصل إلى الله وما كان لله فهو يصل إلى شركائهم ساء ما يحكمون" (اور اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور مواشی پیدا کئے ہیں ان لوگوں نے ان میں سے کچھ حصہ اللہ کا مقرر کیا اور بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے، پھر جو چیز ان کے معبودوں کی ہوتی ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتی اور جو چیز اللہ کی ہوتی ہے وہ ان کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتی ہے، کیا برا فیصلہ وہ کرتے ہیں)

عمرو بن لحی حجاز کے باشاہوں میں سے تھا، اس لئے کہ اُس زمانہ میں حجاز پر خزاعہ ہی کی بادشاہت تھی۔ ابتداء میں وہ ایک نیک اور عبادت گزار شخص تھا۔ اِسی لئے شیخ محمد بن عبد الوہاب نے فوائد کے تحت ذکر کیا ہے کہ کبھی ارتداد اور بت پرستی کا سبب کچھ نیک لوگوں کا عمل ہوتا ہے جیسے عمرو بن لحی کے اعمال، کمال، بادشاہی اور لوگوں کے ذریعہ اس کی اطاعت کی وجہ سے حجاز میں بت پرستی عام ہوئی۔ (الدرر السنیۃ(۲/۱۴۷))

عمرو بن لحی کی مذمت میں چند احادیث بھی منقول ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف، ابو خزاعہ، ابو بنی کعب کو دیکھا یہ سب جہنم میں اس کی انتڑیوں کو کھینچ رہے تھے۔“ (متفق علیہ)

صحیح بخاری میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں نے جہنم کو دیکھا اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو برباد کئے دے رہا تھا، میں جہنم میں عمرو بن لحی کو دیکھا وہ اپنی انتڑیوں کو کھینچ رہا تھا۔ اس نے سب سے پہلے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم ایجاد کی۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے خاتم الرسل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا۔ آپ نے اپنی قوم کے ساتھ ایک طویل عرصہ تک جہاد کرنے کے بعد روئے زمین پر عقیدۂ توحید کو پھیلانے میں کامیابی حاصل کی۔ پھر آپ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اِس مشن کی تکمیل کی۔ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کو سچ ثابت کرتے ہوئے مشرق و مغرب کے آخری کنارے تک کلمۂ توحید کو پہنچایا۔ آپ کی امت اِسی عقیدۂ توحید پر باقی رہی یہاں تک تیسری صدی ہجری کے اواخر میں روافض کے ذریعہ شہادت گاہوں اور قبروں کا ظہور ہوا۔

آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں توحید کی دعوت عام ہو جانے کے بعد مسلمانوں کے دیار ان خرافات سے محفوظ تھے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: صحابہ، تابعین، اور تبع تابعین کے دور میں دیار اسلام میں اس قبیل کی خرافات کا وجود نہیں تھا، نہ حجاز میں، نہ یمن میں، نہ شام میں، نہ عراق میں، نہ مصر میں، نہ خراسان میں، اور نہ مغرب (مراکش وغیرہ) میں۔ اس وقت تک زیارت گاہیں نہیں بنائی گئی تھیں نہ کسی نبی کی قبر پر، نہ کسی صاحب کی قبر پر، نہ اہل بیت میں سے کسی کی قبر پر، نہ کسی نیک انسان کی قبر پر۔ تمام زیارت گاہیں اِس عہد زریں کے بعد وجود میں آئیں۔ اِن زیارت گاہوں اور قبروں کا ظہور و شیوع تب ہوا جب

بنو عباس کی خلافت کمزور ہو گئی، امت تفرقہ وانتشار کا شکار ہو گئی، امت میں بکثرت زندیق پیدا ہو گئے جو مسلمانوں پر صحیح دین وعقیدہ کو مشتبہ کرنے والے تھے اور یہ سب تب ہوا جب مسلمانوں میں اہل بدعات کی باتیں رائج ہو گئیں۔ تبدیلی تیسری صدی ہجری کے اواخر میں مقتدر کے دور حکومت میں رونما ہوئی۔ اُس وقت مغرب میں قرامطہ عبیدیہ کا ظہور ہوا، اس کے بعد وہ لوگ اپنی گمراہیوں کے ساتھ مصر پہنچے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: فضیلت یافتہ زمانے میں قبروں پر زیارت گاہیں نہیں تھیں۔ اس کے بعد بنو بویہ کے دور حکومت میں ان زیارت گاہوں کی کثرت ہو گئی جب مشرق ومغرب میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ ان علاقوں میں کفار وبے دین لوگ پہلے سے موجود تھے۔ ان کا مقصد دین اسلام کو تبدیل کرنا تھا۔ ان میں سے کچھ تبدیلیوں کے لئے انہیں بنی بویہ کی موافقت حاصل تھی۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [جب ان لوگوں نے صالحین کے معاملہ میں غلو کیا۔۔۔]

اشخاص کے سلسلہ میں غلو یہ ہے کہ کوئی ان کی تعریف یا مذمت میں حد سے تجاوز کر جائے ان کے غلو کی دلیل عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو آگے آرہا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں یہ باب قائم کیا ہے: اس کا بیان کہ بنی آدم کے کفر اور دین کو ترک کرنے کا سبب صالحین کے معاملہ میں غلو تھا۔ اس کی دلیل کے طور پر نصوص بھی پیش کئے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ کا قول [آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں] اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "وخاتم النبيين" (اور آپ سلسلۂ نبوت کو ختم کرنے والے ہیں) (1)

مصنف رحمہ اللہ کا قول [آپ نے اِن صالحین کی تصاویر کو توڑ دیا]

---

(1) یہ ایک ثابت شدہ روایت ہے کہ آخری زمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا لیکن وہ انجیل کے احکام کے بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے کریں گے۔

صحیح مسلم میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو اس وقت بیت اللہ کے آس پاس تین سو ساٹھ بت نصب تھے، آپ اپنے ہاتھ کی چھڑی سے ان بتوں کو ٹھوکر مارتے اور کہتے: حق آگیا، باطل کا وجود مٹ گیا، باطل تو مٹنے والا ہی تھا، حق آگیا، اب دوبارہ سر نہیں اُٹھائے گا اور نہ لوٹ کر آئے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے کعبہ کے پاس رکھے ہوئے بتوں کو توڑ دیا اور کچھ دوسری جگہوں پر نصب کئے گئے بتوں کو توڑنے کے لئے آپ نے صحابہ کرام کو روانہ فرمایا اور ہر جگہ کے بتوں کو توڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ اِسی لئے مصنف رحمہ اللہ کے قول (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِن نیک لوگوں کی تصاویر توڑ دیں) سے ان کی مراد یہی ہے کہ آپ نے ان بتوں کے توڑنے کا حکم دیا، اس لئے کہ ان بتوں سے مراد وہ بت ہیں جو کعبہ سے دور دوسری جگہوں پر نصب کئے گئے تھے ۔ مصنف رحمہ اللہ کا یہ جملہ ایسے ہی ہے جیسے کہ کیا جاتا ہے کہ بادشاہ نے اس محل کو تعمیر کیا، اِس سے مراد ہوتا ہے کہ بادشاہ نے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔

صحیح بخاری میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ روایت منقول ہے کہ قوم نوح کے تمام مجسموں کو عربوں نے اپنا معبود بنالیا۔ ود نام کا بت بنو کلب کا معبود بن گیا جو دومۃ الجندل کے مقام پر سکونت پذیر تھے۔ اِسی طرح سواع ہذیل کا، اِسی طرح یغوث مراد کا، پھر بنو غُطیف کا معبود بن گیا جو سبا میں جرف کے مقام پر آباد تھے۔ اسی طرح یعوق ہمدان کا اور نسر حمیر کا معبود بن گیا، یہ لوگ ذی الکلاع کی آل و اولاد میں سے تھے۔ یہ سب قوم نوح کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ جب یہ لوگ دنیا سے رخصت ہوئے تو شیطان نے لوگوں کو پٹی پڑھائی کہ وہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھتے ہیں اِن نیک لوگوں کی تصاویر آویزاں کر دیں اور ان تصاویر کو ان کے ناموں سے موسوم کریں۔ قوم نوح کے لوگوں نے شیطان کے مشورہ پر عمل کیا۔ اس وقت ان تصاویر کی عبادت نہیں کی گئی، لیکن ان تصاویر کو آویزاں کرنے والے لوگ جب دنیا سے رخصت ہو گئے اور علم کی روشنی ماند پڑ گئی تو ان تصاویر کی عبادت ہونے لگی۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ یہ مجسمے جنہیں عرب قبائل پوجنے لگے تھے، اگر بعینہ قوم نوح کے مجسمے نہیں تھے تو ان کے ہم مثل اور ہم شکل ضرور تھے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب نے روئے زمین پر رائج ہونے والے شرک کے قصہ کے ضمن میں کہا ہے کہ نیک لوگوں کے مجسمے بناکر جب ان کی پرستش ہونے لگی تو سب سے پہلے رسول کی بعثت ہوئی اوران مجسموں کے توڑنے کا کام خاتم الرسل نے کیا۔(الدرر السنیۃ ۲/۱۴۸)

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: شرک کے آثار اور اس کی پھیلی ہوئی جڑوں پر غور کیجئے جبکہ مجسموں کو لٹکایا گیا تھا کہ کب وہ وقت آئے گا جب انہیں نیست ونابود کیا جائے گا؟ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جب ان بتوں اور مجسموں کی پرستش شروع ہوئی تھی تب سے یہ مسلسل دنیا میں موجود تھے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ نے انہیں توڑا اور ان کا وجود مٹادیا۔

شیخ محمد بن ابراہیم کا یہ قول بھی ہے: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شرک جب دلوں کے اندر اُتر جاتا ہے اور بڑی شکل اختیار کرلیتا ہے تو اُسے مٹانا مشکل ہوتا ہے۔ پہلے رسول کے زمانہ میں بتوں کی پرستش شروع ہوئی تھی اور آخری رسول نے ان کے وجود سے دنیا کو پاک کیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث کیا جو عبادت کرتے تھے، حج کرتے تھے، صدقہ وخیرات کرتے تھے اور اللہ کا ذکر کرتے تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ کچھ مخلوق کو اپنے اور اللہ عزوجل کے درمیان واسطے بناتے تھے۔ وہ لوگ کہتے تھے کہ ہم اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انہیں واسطے بناتے ہیں، اس سے ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے پاس ہماری شفاعت کریں گے مثلاً فرشتے، عیسیٰ، مریم اور ان کے علاوہ دوسرے نیک لوگ۔

تب اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا تاکہ آپ ان کے دین کی تجدید کریں یعنی ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام کے دین کو دوبارہ متعارف کرائیں اور انہیں یہ بتائیں کہ یہ تقرب اور یہ عقیدہ صرف اللہ کا حق ہے۔ غیر اللہ کے لئے اِس طرح کا عقیدہ رکھنا صحیح نہیں ہے، نہ تو کسی مقرب فرشتے کے لئے اور نہ کسی نبی مرسل کے لئے اِس طرح کا عقیدہ رکھنا درست ہے چہ جائیکہ اِن دونوں کے علاوہ کے لئے اِس طرح کا عقیدہ رکھا جائے۔ یہ مشرکین، اِس بات کی گواہی دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی تنہا خالق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے، صرف وہی رازق ہے، صرف وہی زندگی اور موت دینے والا ہے، صرف وہی معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے، ساتوں آسمان اور جو کچھ اس میں ہیں اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ ان میں ہیں سب اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور اس کے تصرف اور غلبہ کے ماتحت ہیں۔

اگر آپ کو اِس کی دلیل چاہیے کہ وہ مشرکین جن سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تھی، ان باتوں کی گواہی دیتے تھے جو اوپر بیان کی گئیں تو آپ قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت

کریں"قل من يرزقكم من السماء والأرض أمن يملك السمع والأبصار ومن يخرج الحي من الميت ويخرج الميت من الحي ومن يدبر الأمر فسيقولون اللہ" (آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے "اللہ") دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"قل لمن الأرض ومن فیہا اِن كنتم تعلمون سيقولون للہ قل أفلا تذكرون قل من رب السموات السبع ورب العرش العظيم سيقولون للہ قل أفلا تتقون قل من بيده ملكوت كل شيء وهو يجير ولا يجار علیہ إن كنتم تعلمون سيقولون للہ قل فاني تُسحرون" (پوچھئے تو سہی زمین اور اس کی کل چیزیں کس کی ہیں؟ بتلاؤ اگر جانتے ہو فوراً جواب دیں گے کہ اللہ کی، کہہ دیجئے کہ پھر تم نصیحت کیوں نہیں حاصل کرتے۔ دریافت کیجئے کہ ساتوں آسمانوں کا اور بہت باعزت عرش کا رب کون؟ وہ لوگ جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ پھر تم کیوں نہیں ڈرتے؟ پوچھئے کہ تمام چیزوں کا اختیار کس کے ہاتھ میں؟ جو پناہ دیتا ہے اور جس کے مقابلہ میں کوئی پناہ نہیں دیا جاتا اگر تم جانتے ہو تو بتلادو؟ یہی جواب دیں گے کہ اللہ ہی ہے، کہہ دیجئے کہ تم کدھر سے جادو کر دیئے جاتے ہو؟) اِن کے علاوہ بھی دیگر آیات میں اس کے دلائل موجود ہیں۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اس میں کفار قریش کی اعتقادی و عملی حالت کو بیان کیا گیا ہے اور اس سبب کو بیان کیا گیا جو ان کے کفر کا موجب ہے۔

قواعد اربعہ کی شرح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ کفار قریش اجمالی طور پر توحید ربوبیت کا اقرار کرتے تھے۔ یہاں پر مصنف رحمہ اللہ نے یہ اضافہ کیا ہے کہ ان مشرکین کے کچھ ایسے اعمال بھی تھے جنہیں وہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لئے انجام دیا کرتے تھے۔ ربوبیت کے چند عناصر کے اجمالی اقرار اور اللہ کے تقرب کے لئے انجام دیئے جانے والے ان اعمال کے باوجود اس سے ان کو کوئی نفع نہیں حاصل ہوا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی اور ان کے سامنے یہ واضح کر دیا کہ ان کے یہ اعمال اللہ کے نزدیک انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان واسطے بنا لئے ہیں۔ یہ عین شرک ہے۔ آج یہی کام قبر پرست بھی انجام دیتے ہیں۔

پہلی چیز: کفار قریش کا عقیدہ:

۱۔ **ربوبیت کے بارے میں کفار قریش کا عقیدہ:** کفار قریش توحید کی اس قسم کا اجمالی طور پر اقرار کرتے تھے۔ ان کفار کی اکثریت توحید کی اس قسم کے اکثر عناصر کا اقرار کرتی تھی، اِس کے بہت سے دلائل موجود ہیں، اس کی دلیل قرآن کی وہ آیات بھی ہیں جنہیں مصنف نے پیش کیا ہے۔

قواعد اربعہ کی شرح میں کفار کے اقرار ربوبیت کی حقیقت کا بیان گزر چکا ہے۔ وہاں یہ بات بھی بتائی گئی ہے کہ کچھ کفار ربوبیت کے کچھ عناصر کا انکار کرتے تھے مثلاً خیر و شر کو وجود میں لانے کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا اور موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار وغیرہ۔

۲۔ **اسماء وصفات کے بارے میں کفار قریش کا عقیدہ:** کفار قریش توحید کی اِس قسم کا مجمل طور پر اقرار کرتے تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو ان صفات کمال سے متصف کرتے تھے جو انسانی فطرت میں بدیہی طور پر ثابت ہیں مثلاً قدرت، تخلیق اور ربوبیت کے دیگر عناصر۔ اِسی طرح وہ کچھ صفات کمال کو اللہ کے لئے ثابت کرتے تھے مثلاً علم اور عزت۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو خالق مانتے تھے اِس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ولئن سألتم من خلق السماوات والأرض ليقولون خلقهن العزيز العليم" (اگر آپ ان سے دریافت کریں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا تو یقیناً ان کا جواب یہی ہوگا کہ انہیں غالب ودانا (اللہ) نے ہی پیدا کیا ہے) اِسی باب میں زھیر کا یہ شعر بھی ہے:

فلا تكتمن الله ما في نفوسكم   ليخفى ومهما يكتم الله يعلم

(تم اللہ سے اپنے دلوں کی باتوں کو نہیں چھُپا سکتے، جتنا بھی چھپایا جائے اللہ اُسے جان لے گا)

اِس شعر میں شاعر نے اللہ کے لئے علم کو ثابت کیا ہے۔

کفار اللہ کے لئے علو (بلندی) کو ثابت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ آسمان میں ہے۔ اِس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أو يكون لك بيت من زخرف أو ترقى في السماء ولن نؤمن لرقيك حتى تنزل علينا كتاباً نقرؤه“ (یا آپ کے اپنے لئے کوئی سونے کا گھر ہو جائے یا آپ آسمان پر چڑھ جائیں اور ہم تو آپ کے چڑھ جانے کا بھی اس وقت تک ہرگز یقین نہیں کریں جب تک کہ آپ ہم پر کوئی کتاب نہ اتار لائیں جسے ہم خود پڑھ لیں

عنترہ کا شعر ہے:

يا عبل أين من المنية مهربي إن كان ربي في السماء قضاها

(اے عبل: میں موت سے کہاں بھاگ سکتا ہوں، اگر میرا رب آسمان میں اس کا فیصلہ کر دے)

شیخ سلیمان بن عبد اللہ تیسر العزیز الحمید میں کہتے ہیں: کفار قریش توحید اسماء وصفات کے باب میں ان چیزوں کا اقرار کرتے تھے، اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ اِسی قبیل کی کچھ باتوں کا جہالت یا سرکشی کی وجہ سے انکار بھی کرتے تھے جیسا کہ ان لوگوں نے کہا کہ ہم یمامہ کے رحمٰن کے سوا کسی رحمٰن کو نہیں جانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: ”و هم يكفرون بالرحمٰن“ (کیا وہ رحمٰن کا انکار کرتے ہیں)

ابن کثیر کہتے ہیں: صاف ظاہر ہے کہ ان کا یہ انکار کفر کے معاملہ میں ہٹ دھرمی اور سرکشی کے قبیل سے تھا۔ زمانہ جاہلیت کے کچھ اشعار میں بھی اللہ تعالیٰ کو رحمٰن سے موسوم کیا گیا ہے۔

ایک شاعر کہتا ہے: ”وما يشأ الرحمٰن يعقد ويطلق“ (رحمٰن جو چاہتا ہے وہی معاملہ طے پاتا ہے اور وہی ہوتا ہے۔)

دوسرا شاعر کہتا ہے: ”ألا قضب الرحمٰن ربي يمينها“ (کیا میرے رب رحمٰن نے اس کے دائیں ہاتھ کو کاٹ نہیں دیا)

یہ دونوں جاہلی شعراء ہیں۔

شیخ سلیمان نے کہا ہے کہ کفار قریش کے ذریعہ توحید اسماء وصفات میں سے صرف اللہ کے نام رحمٰن کا انکار ہی معروف ہے۔ اگر وہ لوگ دوسرے ناموں کا بھی انکار کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کی تردید کرتے جیسا کہ ان لوگوں نے آپ کے سامنے توحید الوہیت کی تردید کی تھی۔

یہ بہت مفید کلام۔ یہ معطلہ (صفات الہی کا انکار کرنے والے) کے رد کے لئے بہت مفید ہے۔ اسی لئے شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: جن لوگوں نے صفات الٰہی کا انکار کیا ہے ان سے زیادہ عقلمند کفار تھے۔

کفار میں سے کچھ لوگ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے اور حساب وکتاب پر ایمان رکھتے تھے۔ شاعر زھیر کہتا ہے:

فلا تكتمن الله ما في نفوسكم ليخفى ومهما يكتم الله يعلم

يؤخر فيوضع في كتاب فيدخر ليوم الحساب أويعجل فينقم

(تم اپنے دلوں کی باتوں کو اللہ سے کسی طرح بھی نہیں چھپا سکتے ہو، جتنا بھی چھپانے کی کوشش کروگے اللہ اسے جان لے گا۔ وہ اعمال کے بدلہ کو موخر کرتا ہے، ایک رجسٹر میں اسے درج کر دیا جاتا ہے اور حساب کے دن کے لئے اسے سنبھال کر رکھ دیا جاتا ہے یا وہ فوری طور پر دنیا ہی میں اس کا بدلہ دے دیتا ہے)

کفار کی اکثریت موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتی تھی۔ قرآن کی بہت سی آیات میں اس کا بیان موجود ہے مثلاً اللہ تعالی کا یہ ارشاد: "وقالوا أ إذا كنا عظاماً ورفاتا أ إنا لمبعثون خلقاً جديداً" (انہوں نے کہا جب ہم ہڈیاں اور (مٹی ہوکر) ریزہ ریزہ ہوجائیں گے تو کیا ہم از سر نو پیدا کرکے پھر دوبارہ اٹھا کر کھڑے کر دیئے جائیں گے۔) اہل جاہلیت نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے عقیدہ کا خاص طور پر انکار کیا تھا۔

اہل جاہلیت میں سے کچھ لوگ تقدیر پر اایمان رکھتے تھے جیسا کہ عنترہ کے اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے:

يا عبل أين من المنية مهربي إن كان ربي في السماء قضاها

(اے عبل! میں موت سے کہاں بھاگ سکتا ہوں، اگر میرا رب آسمان میں اس کا فیصلہ کر دے)

ثعلب جو ائمہ لغت میں سے ایک ہیں، کا کہنا ہے کہ تمام عرب قضا و قدر کو مانتے تھے، چاہے وہ اہل جاہلیت ہوں یا مسلمان۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: سارے عرب تقدیر کو مانتے تھے۔

۳۔ الوہیت کے بارے میں کفار کا عقیدہ: کفار اس کا انکار نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ عبادت کا مستحق ہے۔ وہ لوگ بہت سارے اعمال کو اللہ کے لئے انجام دیتے تھے۔ لیکن وہ عبادت میں غیر اللہ کو بھی شریک ٹھہراتے تھے۔ عبودیت میں ان کا کفر کفر تعطیل نہیں تھا بلکہ کفر تشریک تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد: "فقالوا هذا لله بزعمهم و هذا لشركائنا" (وہ بزعم خود کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کا ہے)

تیسیر العزیز الحمید میں ہے: لفظ شرک سے پتہ چلتا ہے کہ مشرکین اللہ کی عبادت کرتے تھے لیکن اللہ کے علاوہ مجسمے وغیرہ کو بھی عبادت میں شریک کرتے تھے۔

دوسری چیز کفار قریش کے اعمال:

کفار قریش کچھ قلبی و بدنی اعمال کو انجام دیتے تھے۔ ان اعمال کے ذریعہ وہ اللہ کے تقرب کی نیت کرتے تھے۔ ان میں سے چند اعمال یہ ہیں:

۱۔ دعا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فإذا ركبوا في الفلك دعوا الله مخلصين له الدين" (جب وہ لوگ کشتی میں سوار ہوتے تو اللہ سے دعا کرتے دین کو اس کے لئے خالص کر کے)

۲۔ نماز: صحیح مسلم میں ابوذر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے کہ انہوں نے کہا: اے بھتیجے! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات سے پہلے میں نے تین سال تک نماز پڑھی ہے۔ میں نے دریافت کیا: کس کے لئے نماز پڑھی؟ انہوں نے کہا: اللہ کے لئے۔ میں نے پوچھا: آپ کس کا رخ کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: میرا رب جس طرف میرا رخ کر دیتا اسی طرف میں رخ کرتا تھا۔

۳۔ حج: صحیحین میں منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد لوگوں میں یہ اعلان کروادیا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ نیز اہل جاہلیت اس طرح تلبیہ پڑھتے تھے:"لبيك لا شريك لك إلا شريكا هو لك تملكه وما ملك" (میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں سوائے ایک شریک کے، وہ شریک بھی تیری ملکیت ہے اور وہ خود کسی چیز کا مالک نہیں ہے)

۴۔ روزہ: صحیحین میں منقول ہے کہ قریش زمانۂ جاہلیت میں عاشوراء(دسویں محرم) کا روزہ رکھتے تھے۔

۵۔ اعتکاف: عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ میں نے زمانۂ جاہلیت میں یہ نذر مانی تھی کہ میں مسجد حرام میں ایک رات اعتکاف کروں گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا:"تم اپنی نذر پوری کرو۔" (متفق علیہ)

۶۔ مال خرچ کرنا: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وما منعهم أن تقبل منهم نفقاتهم إلّا أنهم كفروا بالله" (کوئی سبب ان کے خرچ کی قبولیت کے نہ ہونے کا اس کے سوا نہیں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے منکر ہیں) دوسری جگہ ارشاد ہے:"أجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن آمن بالله" (کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلادینا اور مسجد حرام کی خدمت کرنا اس کے برابر کر دیا ہے جو اللہ پر ایمان لائے)

۷۔ طہارت: زمانۂ جاہلیت کی ایک عورت کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ سفر میں تھی۔ ان لوگوں کے پاس تھوڑا سا پانی تھا۔ دوران سفر اسے حیض آنا بند ہو گیا یعنی وہ حالت حیض سے فارغ ہو گئی۔ اس نے غسل کرنا چاہا۔ وہ بچے ہوئے پانی سے غسل کرنے لگی۔ پانی کم تھا جس کی وجہ سے وہ پوری طرح غسل بھی نہیں کر سکی۔ شوہر و بیوی دونوں کو پیاس لگی، ان کے پاس پانی نہیں بچا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں پیاس کی وجہ سے ہلاک ہو گئے۔ ان دونوں کے اس واقعہ پر ایک مثل بھی مشہور ہوئی اور فرزدق نے ایک شخص کی مذمت کرتے ہوئے یہ شعر کہا:

وكنت كذات الحيض لم تبق ماءها ولا هي من ماء العذابة طاهر

(تمہارا حال تو اس حائضہ عورت کی طرح ہو گیا جو پینے کے لئے پانی کو بچا نہیں سکی اور نہ ہی وہ میٹھے پانی سے غسل کر کے پاک ہو سکی)

سہیلی نے غسل کے بارے میں کہا ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں غسل طہارت کیا جاتا تھا۔ یہ دین ابراہیمی کا بچا کھچا حصہ تھا۔ اسی طرح دین ابراہیمی میں سے نکاح اور حج بھی باقی رہ گیا تھا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: غسل طہارت اسلام سے پہلے بھی مشروع تھا۔

۸۔ عمومی طور پر خیر کے کام: مثلاً صدقہ وخیرات، صلہ رحمی، پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک، غلاموں کو آزاد کرنا وغیرہ۔ صحیح مسلم میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت منقول ہے کہ انہوں نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! ابن جدعان زمانۂ جاہلیت میں صلہ رحمی کرتے تھے اور مسکین کو کھانا کھلاتے تھے تو کیا یہ ان کے لئے نفع بخش ہوگا؟ آپ نے فرمایا: نہیں، ان اعمال کا اسے فائدہ حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اس نے کسی دن یہ نہیں کہا کہ اے میرے رب! قیامت کے دن میری غلطیوں کو معاف کر دینا۔

صحیح مسلم ہی میں حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی منقول ہے کہ انہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا: میں زمانۂ جاہلیت میں کچھ کاموں کو بطور عبادت انجام دیتا تھا مثلاً صدقہ خیرات، گردن آزاد کرانا اور صلہ رحمی کیا اس کا اجر ہمیں ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے پیچھے جو خیر کے کام کئے ہیں ان ہی پر تم اسلام لائے ہو۔

عربوں کو یہ اعمال دین ابراہیمی کے بقایاجات کے طور پر وراثت میں ملے تھے۔ ان اعمال کو وہ انجام دیتے رہے یہاں تک کہ عمرو بن لحی نے شرک کو ان کے معاشرہ میں داخل کر دیا۔ اس کے بعد شرک کے ساتھ یہ اعمال بھی ان کی زندگی میں باقی رہ گئے۔

جب آپ کو یہ بات سمجھ میں آجائے گی کہ کفار قریش اِن باتوں کا اقرار کرتے تھے (یعنی اللہ تعالیٰ کے رازق وخالق اور مدبر کائنات ہونے کا اقرار کرتے تھے) اس کے باوجود ان کے اِس عقیدے نے انہیں دائرہ توحید میں داخل نہیں کیا جس کی سارے رسولوں نے دعوت دی اور اخیر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسی توحید کی دعوت دی۔ جب آپ یہ جان لیں گے کہ جس توحید کا ان کفار نے انکار کیا تھا وہ توحید عبادت ہے۔ اِسی توحید کو ہمارے زمانہ کے مشرکین اعتقاد کا نام دیتے ہیں۔[۱] وہ مشرکین عرب دن رات اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ ان مشرکین میں کچھ ایسے بھی تھے جو فرشتوں سے دعا مانگتے تھے، ان کے نیک ہونے اور اللہ عزوجل سے قریب ہونے کی وجہ سے تاکہ وہ ان کے لئے اللہ کے پاس سفارش کریں۔ ان میں سے کچھ لوگ کسی نیک انسان مثلاً لات سے دعا مانگتے تھے یا کسی نبی سے دعا مانگتے تھے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام سے۔ جب آپ یہ جان لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرک کی وجہ سے ان سے جنگ کی اور انہیں ایک اللہ کے لئے عبادت کو خاص کرنے کی دعوت دی جس کا کوئی شریک نہیں ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فلا تدعو مع اللہ أحدا" (پس تم اللہ کے علاوہ کسی کو بھی نہ پکارو) دوسری جگہ ارشاد ہے: "له دعوة الحق" (اُسی کے لئے حق کی دعوت ہے) جب آپ سمجھ لیں گے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس لئے جنگ کی تھی تاکہ ہر قسم کی دعا صرف اللہ سے مانگی جائے، جانور کو صرف اللہ ہی کے لئے ذبح کیا جائے، نذر صرف اللہ کے لئے مانی جائے، فریاد صرف اللہ سے کی جائے اور عبادت کی تمام قسمیں اللہ

---

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: مشرکین کہتے ہیں کہ فلاں میں عقیدہ ہے یعنی فلاں کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا صحیح ہے کہ اُس سے نفع حاصل ہوتا ہے۔

کے لئے خاص کی جائیں۔ جب آپ جان لیں گے کہ توحد ربوبیت کے اقرار نے ان کو اسلام میں داخل نہیں کیا۔ مسلمانوں کے لئے ان مشرکین کی جان ومال کو جس چیز نے حلال کیا وہ ان کا سفارشی بنانے کے لئے فرشتوں انبیاء اور اولیاء کا قصد کرنا اور اس عمل کو تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھنا تھا۔

تبھی آپ اُس توحید کو جان پائیں گے جس کی دعوت رسولوں نے دی اور جس کا اقرار کرنے سے مشرکین نے انکار کیا۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اس کے تحت اس چیز کو بیان کیا گیا ہے جس نے کفار قریش کی جان ومال کو حلال کر دیا تھا اور وہ تھا توحید عبادت میں نقص کیونکہ وہ لوگ کئی طرح کی عبادات غیر اللہ کے لئے انجام دیتے تھے اور اسے تقرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

مصنف رحمہ اللہ نے پچھلے اقتباس میں کفار قریش کی اعتقادی اور عملی حالت کو بیان کیا تھا۔ وہاں یہ واضح کر دیا تھا کہ ان کے عقیدہ و عمل میں کیا نقص تھا۔ ان مشرکین کا یا ان کی اکثریت کا توحید ربوبیت یا اس کے اکثر عناصر کا اقرار کرنا انہیں اسلام میں داخل نہیں کر سکا۔ اِسی طرح اِن کے بہت سے اعمال جنہیں وہ تقرب الٰہی کے لئے انجام دیتے تھے انہیں دائرہ اسلام میں داخل نہیں کر سکے۔ (۱)

اس کا سبب یہی تھا کہ ان کا توحید الوہیت کا عقیدہ ناقص تھا، وہ لوگ کئی طرح کی عبادات کو غیر اللہ کے لئے انجام دیتے تھے مثلاً دعا، ذبح، نذر اور فریاد۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اِن عبادات کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا نیک اعمال کا حصہ ہے، اس

---

(۱) اسی وجہ سے مصنف رحمہ اللہ نے القواعد الأربعہ میں کہا ہے کہ تم یہ بات جان لو کہ عبادت صرف توحید کے ساتھ ہی معتبر اور مقبول ہوتی ہے جس طرح نماز اُسی وقت نماز کہلاتی ہے جب طہارت کے ساتھ ادا کی جائے۔ جب عبادت میں شرک داخل ہو گا تو عبادت فاسد ہو جائے گی جس طرح طہارت کے بعد حدث لاحق ہونے سے طہارت ختم ہو جاتی ہے۔

سے انہیں اللہ کا تقرب حاصل ہو گا کیونکہ جن کے لئے انہوں نے اِن عبادات کو انجام دیا ہے یعنی فرشتے، انبیاء اور صالحین، اِن کا اللہ کے نزدیک مرتبہ اور اثر ورسوخ ہے۔ جب وہ ان عبادات کے ذریعہ ان غیر اللہ کا تقرب حاصل کریں گے تو وہ انہیں فائدہ پہنچائیں گے اور اللہ کے نزدیک ان کے سفارشی بنیں گے۔ ان کا یہ اعتقاد بھی تھا کہ ان کی سفارش قبول کی جاتی ہے۔ ان کی سفارش رد نہیں ہوتی ہے۔ ابن تیمیہ کہتے ہیں: جس نے اللہ اور اس کی مخلوق کے درمیان واسطے بنائے جس طرح بادشاہوں اور رعایا کے درمیان واسطے ہوتے ہیں، تو وہ مشرک ہے بلکہ یہ مشرکین اور بتوں کی پرستش کرنے والوں کا دین ہے جو کہا کرتے تھے کہ یہ انبیاء اور صالحین کے مجسمے ہیں۔ یہ اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے وسائل ہیں۔ یہ وہی شرک جس میں ملوث ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کی مذمت کی ہے۔

شیخ سلیمان بن عبد اللہ کہتے ہیں: جسے بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کا شعور و عرفان حاصل ہے اس کے لئے یہ واجب ہے کہ وہ اس سبب پر غور کرے جس نے مشرکین کا خون بہانے اور ان کی عورتوں کو قیدی بنانے کو واجب کر دیا اور ان کے اموال کو جائز کر دیا جب کہ وہ لوگ توحید ربوبیت کو جانتے تھے اور اس کا اقرار کرتے تھے۔ اس کا سبب توحید عبادت میں شرک کا ارتکاب تھا جو کلمہ لا اِلہ اِلا اللہ کے منافی ہے۔ کیونکہ اس کلمہ کا مطلب یہی ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے۔

یہ توحید کلمۂ لا اِلہ اِلا اللہ کا لازمی مفہوم ہے۔ مشرکین عرب کے نزدیک اِلہ (معبود) وہی ہے جن کا وہ لوگ عبادت، دعا، ذبح اور نذر وغیرہ کے لئے قصد کرتے ہیں، چاہے وہ کوئی فرشتہ ہو یا نبی ہو یا درخت ہو یا قبر ہو یا جن ہو۔ ان مشرکین نے اِلہ سے خالق، رازق اور مدبر کو مراد نہیں لیا۔ وہ لوگ یہ جانتے تھے کہ خالق، رازق اور مدبر تو صرف اللہ کی ذات ہے جیسا کہ میں نے پہلے بھی بتایا ہے۔ قدیم مشرکین اِلہ سے وہی مراد لیتے تھے جو آج کے مشرکین لفظ السید (آقا) سے مراد لیتے ہیں اِسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے لے مبعوث کیا گیا تا کہ آپ انہیں کلمۂ توحید لا اِلہ اِلا اللہ کی دعوت دیں۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اِس متن میں اِلہ کے معنی کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ اِس میں بتایا گیا ہے کہ وہ کفار جن کی ہدایت ور ہنمائی کے لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تھا، کلمہ لا اِلہ اِلا اللہ کے معنی ومفہوم کو بعد کے مشرکین سے زیادہ بہتر طور پر جانتے تھے۔ اِسی لئے ان لوگوں نے اِس کلمہ کے معنی اور تقاضے کو جاننے کے بعد اِسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ بعد کے مشرکین کا یہ حال رہا کہ اِن لوگوں نے زبان سے اس کلمہ کو ادا کیا لیکن اپنے قول و عمل سے اس کلمہ کا انکار کیا۔

مصنف رحمہ اللہ اس متن کے ذریعہ یہ واضح کر رہے ہیں کہ قدیم مشرکین نے اِلہ کا وہی معنی ومفہوم سمجھا تھا جو لغت عرب میں معروف ہے۔ یعنی وہ ذات جس کا قصد کیا جائے اور جس کی طرف توجہ کی جائے، جلب منفعت اور دفع ضرر کے لئے جس کی ذات کا قصد کیا جاتا ہے، جس کو مدد کے لئے پکارا جاتا ہے، جس سے دعا مانگی جاتی ہے، جس سے امید وابستہ کی جاتی ہے، اور جس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ وہ قدیم مشرکین اِلہ کا معنی رب، خالق اور رازق نہیں سمجھتے تھے بلکہ لغت عرب میں اِلہ کے معنی سید، مالک، مدبر، قیم اور منعم وغیرہ کے نہیں ہوتے ہیں۔ لغت عرب میں اِلہ کے معنی ہوتے ہیں وہ ذات جس کی طرف دل مائل ہوں، جس کی محبت دل میں محسوس کی جائے اور دل جس کا قصد کرے۔

اِلہ کے اِسی معنی و مفہوم پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے۔ اِن کے علاوہ جہمیہ، اشاعرہ، قبوری صوفیاء اور روافض کے نزدیک اِلہ کے معنی رب کے ہیں۔ اِن لوگوں نے توحید اُلوہیت کی تفسیر توحید ربوبیت سے کی ہے۔

اِس غلط فہمی کا سبب ان کا فلسفہ و منطق اور فکری کتابوں سے متاثر ہونا ہے۔ آپ اِن لوگوں کی کتابوں میں دیکھیں گئے کہ اِن میں سے کچھ لوگ اِلہ سے وہ ذات مراد لیتے ہیں جو دوسروں سے مستغنی ہو اور سب اس کے محتاج ہوں۔(۱) کچھ لوگ اِلہ سے مراد لیتے ہیں جو ایک ہو کوئی اس کا ساجھی و شریک نہ ہو، اس کی صفات میں کوئی اس کے مشابہ نہ ہو اور اس کے افعال میں کوئی اُس کا شریک نہ ہو۔ عالم اسلام میں رائج نظام تعلیم اور نصاب تعلیم آج اِس کے گواہ ہیں۔ واللہ المستعان۔

کلمۂ توحید کو سمجھنے میں اِس بھیانک غلطی اور بڑی کوتاہی کا نتیجہ بھی اتنا ہی خطرناک نکلا جس کا آج مشاہدہ کیا جارہا ہے۔ لوگوں نے شرک کو صرف ربوبیت میں شرک کے دائرہ تک محدود کر دیا۔ اِسی لئے آپ بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ زندے اور مردے غیر اللہ کی طرف توجہ کرتے ہیں، ان سے امید لگاتے ہیں، ان سے ڈرتے ہیں ان کے لئے جانور ذبح کرتے ہیں اور ان سے فریاد کرتے ہیں۔ نیز اس کے علاوہ بھی اصل توحید کے منافی امور کو انجام دیتے ہیں۔

کفار قریش یہ بات سمجھ گئے تھے کہ یہی وہ امور ہیں جنہیں صرف اللہ کے لئے انجام دینے کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت دی ہے۔ اِسی لئے ان لوگوں نے آپ کی مخالفت کی اور اِس عقیدہ کا انکار کیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا: تم لوگ کلمۂ لا اِلہ اِلا اللہ پڑھ لو کامیاب ہو جاؤ گے تو اِس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا "أجعل الآلھۃ إلٰھاً واحداً" (کیا انہوں نے سارے معبودوں کو ایک معبود بنا دیا) اُن مشرکین نے ان باطل معبودوں کے لئے لفظ "آلھۃ" استعمال کیا ہے جن کے لئے مذکورہ بالا امور کو انجام دیتے تھے۔ بعد کے مشرکین نے اِن امور کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا لیکن اس غیر اللہ کے لئے "آلھۃ" کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ ان کے لئے کئی دوسرے خوبصورت کلمات وضع کر لئے مثلاً کچھ سید(۲) (آقا)

---

(۱) یہ تعریف سنوسی مکتب فکر کی کتاب "ام البراھین" میں کی گئی ہے۔ یہ کتاب اشاعرہ کے عقائد پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ان دنوں جامعہ ازہر وغیرہ میں پڑھائی جاتی ہے۔

(۲) مثلاً کہا جاتا ہے: سید بدوی، سید حسین، سیدہ زینب، سید عیدروس، سید مرغنی۔

کہتے ہیں، کچھ لوگ اُسے ولی کا نام دیتے ہیں کچھ لوگ اُسے "السر" (راز) کہتے ہیں یا وہ جس میں راز پوشیدہ ہے[1] اور کچھ لوگ اسے شیخ کہتے ہیں۔

یہ سارے نام شکلاً ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن ان میں عقیدہ رکھنے والوں کے نزدیک اِس کے معنی و مفہوم ایک ہی ہیں کیونکہ ان کے نزدیک چاہے وہ سید ہو یا ولی ہو یا شیخ ہو یا سر (راز) ہو سب کو مدد کے لئے پکارنا صحیح ہے۔ اِن کا یہ عقیدہ ہے کہ اِن سے امیدیں وابستہ کی جائیں گی، ان سے ڈرا جائے گا، ان پر توکل کیا جائے گا، ان کے لئے جانور ذبح کئے جائیں گے، ان کے لئے کئی طرح کی عبادتیں انجام دی جائیں گی۔ اِن کے عقیدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے چند خواص کو مرتبہ عطا کیا ہے۔ اللہ اِس سے راضی ہوتا ہے کہ انسان ان خواص کی پناہ لے، مصیبتوں میں ان سے امید لگائے، سخت حالات میں ان سے فریاد کرے، انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان واسطے بنائے، ان کے ناموں کی قسمیں کھائے اور ان کے لئے قربانی کرے۔۔۔ الخ۔ پھر اللہ تعالیٰ کے لئے کیا باقی رہا؟!! واللہ المستعان

شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: پہلے دور کے عرب اُسی کو الوہیت کہتے تھے جسے آج کے دور کے عوام الناس "السر" (راز) کہتے ہیں۔ اِن کے نزدیک "السر" کا مطلب ہے جسے نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت ہو، جسے مدد کے لئے پکارنا، جس سے امید لگانا، جس سے ڈرنا اور جس پر توکل کرنا درست ہو۔

وہ مزید کہتے ہیں: اِسی الوہیت کو ہمارے زمانے کے عوام "السر" (راز) اور ولایت کا نام دیتے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں سے خاص لوگوں کو مرتبہ عطا کیا ہے۔ اللہ اِس سے راضی ہوتا ہے کہ ان مرتبہ یافتہ خواص کی پناہ میں رہا جائے، ان سے امید لگائی جائے، ان سے فریاد کی جائے اور انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بنایا جائے

پہلے دور کے مشرکین کا بھی تو یہی عمل تھا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ألا لله الدين الخالص والذين اتخذوا من دونه أولياء مانعبدهم إلا ليقربونا إلى الله زلفى إن الله يحكم بينهم في ماهم فيه يختلفون إن الله لا يهدي من هو كاذب كفار" (خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن

---

(۱) ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ اس کی روح کے پیچھے ایک راز ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک راز سے مراد روح ہے جس کے ذریعہ نفع و ضرر پہنچنے کا عقیدہ رکھا جاتا ہے۔

لوگوں نے اس کے سوا اولیاء بنا رکھے ہیں (اور کہتے ہیں) کہ ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ (بزرگ) اللہ کی نزدیکی کے مرتبہ تک ہماری رسائی کرا دیں۔ یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا (سچا) فیصلہ اللہ (خود) کرے گا۔ جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں) کو اللہ راہ نہیں دکھاتا)

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جس نے اللہ اور مخلوق کے درمیان واسطے بنائے جیسے کہ بادشاہوں اور رعایا کے درمیان واسطے ہوتے ہیں تو وہ مشرک ہے۔ یہ بتوں کی پوجا کرنے والے مشرکین کا دین ہے۔ یہی وہ شرک ہے جس کی وجہ سے اللہ نے نصاریٰ کی مذمت کی ہے۔

کلمۂ لا اِلٰہ اِلا اللہ کا حقیقی مفہوم: یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور اِلٰہ (معبود) کا قصد نہیں کیا جائے گا۔ مشرکین نے کلمہ کا یہی مفہوم سمجھا تھا اور یہی حق بھی ہے۔ اِسی لئے مشرکین نے جب اس کلمہ کا انکار کیا اور اس کی مخالفت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے توحید کی دعوت پیش کی۔ اِس سے یہ معلوم ہوا کہ وہ موحد نہیں تھے۔ اب بعد میں آنے والوں میں سے جس نے بھی اُن مشرکین جیسا عمل کیا مثلاً غیر اللہ کا قصد کیا یا غیر اللہ کو واسطہ بنایا تو وہ اللہ عظیم کے ساتھ شرک کرنے والا ہو گا، اگرچہ وہ لفظی طور اِسے شرک کا نام نہ دے یا اسے تبدیل کر دے یا اُسے کوئی دوسرا خوبصورت نام دیدے۔ جب تک معنی و مفہوم پایا جائے گا حکم موجود رہے گا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہ بہت اہم مقام ہے، اس میں بہت سے قدم پھسل گئے، سوچ فکر گمراہ ہو گئی، مسلمانوں کے دین کو بدل دیا گیا۔ بہت سی چیزوں میں اہل توحید ان بت پرستوں کے مشابہ ہو گئے جو توحید، تحقیق، علم و معرفت اور زبان دانی کی انتہا تک پہنچنے کا دعوی کرتے ہیں۔

اس کلمۂ توحید سے اس کا معنی و مفہوم مراد ہے، اُسے صرف زبان سے ادا کرنا کافی نہیں ہے۔ پہلے دور کے کفار جو جاہل تھے، جانتے تھے کہ اس کلمۂ توحید سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ صرف االلہ تعالیٰ سے تعلق رکھا جائے اور اللہ کو چھوڑ کر جن چیزوں کی عبادت کی جاتی ہے ان کا انکار کیا جائے اور ان سے اظہار براءت کی جائے۔ اِسی لیے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار سے کہا کہ تم لوگ لا اِلہ اِلا اللہ کہو تو اِس کے جواب میں ان لوگوں نے کہا: ”أجعل الآل ھۃ إل ھا واحدا إن ھذا لشيء عُجابٌ“ (کیا انہوں نے سارے معبودوں کو ایک معبود کر دیا، یہ تو عجیب چیز ہے)

جب آپ نے یہ جان لیا کہ پہلے دور کے جاہل کفار بھی کلمۂ توحید کو جانتے تھے اور اس کی حقیقت سے واقف تھے تو پھر تعجب اُس شخص پر ہے جو اسلام کا دعوی کرتا ہے اور اِس کلمۂ توحید کا وہ سادہ مفہوم بھی نہیں جانتا ہے جو جاہل کفار جانتے تھے۔ آج مسلمان ہونے کا دعویدار یہ سمجھتا ہے کہ یہ کلمۂ توحید صرف زبان سے پڑھنے کے لئے ہے اور اس کے معنی و مفہوم کا دل میں اعتقاد رکھنا ضروری نہیں ہے۔ ان میں جو عقلمند ہے وہ سمجھتا ہے کہ اِس کلمۂ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق، اور مدبر نہیں ہے۔ کلمۂ لا اِلہ اِلا اللہ کے معانی و مفاہیم کو زیادہ جاننے والے تو پہلے دور کے جاہل کفار تھے حالانکہ ان کے اندر بھی کوئی خیر نہیں تھا۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اِس کے تحت کلمۂ لا اِلہ اِلا اللہ کے معنی و مفہوم کو سمجھنے کے معاملہ میں لوگوں کے مختلف احوال کو بیان کیا گیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ یہاں پر ایک مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور یہ کلمہ لا اِلہ اِلا اللہ کے معنی و مفہوم کا بیان ہے۔ اس لیے کہ اس کلمہ کی حقیقت کو سمجھ لیناسب سے اہم مسئلہ ہے۔ یہی دائرہ اسلام میں داخل ہونے اور جنت کو حاصل کرنے کا دروازہ ہے اور یہی دائرہ اسلام سے خارج ہو کر جہنم کا مستحق بننے کا بھی دروازہ ہے۔ اسی لئے اس کلمۂ توحید کو صحیح طور پر سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بہت سے گروہوں نے اِس کلمۂ توحید کے معنی و مفہوم کو صحیح طور پر نہیں سمجھا۔

کئی گروہوں نے اِس کلمۂ توحید کے معنی و مفہوم کے بر خلاف موقف اختیار کیا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے ان میں سے کچھ کا تذکرہ کیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱۔ ایک گروہ وہ ہے جس نے اِس کلمۂ توحید کے معنی و مفہوم کو مکمل طور پر سمجھا لیکن اُسے قبول کرنے کے معاملہ میں سرکشی اختیار کی۔ یہ کفار عرب ہیں جن کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تھی۔ یہ لوگ جانتے تھے کہ صرف لفظی طور پر زبان سے اس کلمہ کو کہنا کافی نہیں ہے بلکہ زبان سے اِس کلمہ کو ادا کرنے کے ساتھ اس کے معنی و مفہوم کا اعتقاد رکھنا اور اس کے تقاضے کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔ ان لوگوں نے یہ جان لیا تھا کہ اِس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود عبادت کا مستحق نہیں ہے اور غیر اللہ سے تعلق و وابستگی جائز نہیں ہے۔ اسی وجہ سے ان لوگوں نے اِس کلمہ کو زبان سے ادا نہیں کیا، اس لئے کہ ان کا اعتقاد تھا کہ غیر اللہ بھی عبادت کا مستحق ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: ابو جہل اور ان جیسے لوگ اگر یہ جانتے کہ کلمۂ توحید کا یہ مطلب ہے تو وہ کبھی اُسے زبان سے ادا کرنے میں پس و پیش نہ کرتے اور نہ اِس کلمہ کی وجہ سے جھگڑتے۔ اِسی طرح اگر ان لوگوں نے یہ سمجھا ہوتا کہ اِس کلمہ کا مطلب غیر اللہ کے لئے ربوبیت کا انکار ہے تو وہ دوسروں سے پہلے اِسے قبول کر لیتے اور کوئی اختلاف نہ کرتے۔ لیکن معاملہ اِس کے بر خلاف تھا کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ اِس کلمۂ توحید کا مطلب یہ ہے کہ اِلہ اور معبود صرف اللہ کی ذات ہے اور اللہ کے علاوہ کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ اس کلمہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے اظہار براءت کی جائے۔ اس کا اعتقاد رکھنا ضروری ہے، عمل میں اس کا وجود ضروری ہے اور اِس کی وجہ سے ان کے آباء و اجداد کا دین اور اس کے سارے اعمال باطل قرار پاتے ہیں۔

۲۔ ایک گروہ یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جس نے زبان سے کلمہ پڑھ لیا وہ کافر نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کلمہ کو پڑھ لینے والا ہر شخص مسلمان ہے۔ اِس شبہ کا مکمل رد آگے آئے گا۔ اِن شاء اللہ۔

۳۔ایک گروہ وہ ہے جس نے الوہیت کا معنی مراد لیا۔ ان کے نزدیک کلمۂ لا اِلہ اِلا اللہ کا مطلب ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں ہے،اور اللہ کے سوا کوئی نئی نئی چیزیں پیدا کرنے پر قادر نہیں ہے۔ یہ لوگ علم کا دعوی کرنے والے بدترین جاہل ہیں۔ ان کا تعلق اہل کلام کے مکاتب فکر سے ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اپنے قول"والحاذق من هم۔۔۔"(اِن میں جو عقلمند ہیں۔۔۔) سے اِن ہی لوگوں کو مراد لیا ہے۔ اِن میں اشاعرہ، جہمیہ، روافض، باطنیہ، اہل تصوف اور قبر پرست شامل ہیں۔

اِن لوگوں نے توحید کا دعوی کیا اور اُسے مشرک کہا جو مردے کو مدبر اور موحد قرار دیتا ہے، لیکن مردے سے فریاد کرنا، مردے کو مدد کے لئے پکارنا اور اس سے دعامانگنا، مردے کے لئے جانور ذبح کرنا اِن کے نزدیک شرک نہیں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طالب ہیں۔ اس شبہ کا رد آگے آئے گا۔ ان شاء اللہ۔

اِس عقیدے کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں سے جنگ کی جو موجد تھے، اس لئے کہ کفار قریش اجمالاً ربوبیت کے عناصر کا اقرار کرتے تھے۔

کلمۂ توحید کے معنی ومفہوم کو صحیح طور پر سمجھنے والے خوش نصیب لوگ اہل سنت والجماعت ہیں۔ یہ لوگ سنت واثر کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اِن لوگوں نے کہا: اِس کلمہ کو کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ دل میں اِس کا اِعتقاد رکھا جائے، زبان سے اس کو ادا کیا جائے اور عمل سے اِس کا مظاہرہ کیا جائے۔ علاوہ ازیں اِس کلمہ کی شرطوں کو پورا کرنا بھی ضروری ہے اور اس کے منافی کاموں سے دور رہنا بھی ضروری ہے۔ جو اِن میں سے کسی چیز میں کمی کرے گا وہ شریعت کے حکم کے مطابق کافر ہو جائے۔ اگرچہ وہ کلمہ لا اِلہ اِلا اللہ کو بار بار اپنی زبان سے دہرائے۔ کلمہ توحید کے اِس معنی ومفہوم کو سمجھنا سب سے اہم مسئلہ ہے۔ واللہ المستعان۔

جب آپ میری اوپر بیان کی گئی باتوں کو اچھی طرح جان لیں گے اور انہیں ذہن و دل میں اتار لیں گے کہ تو آپ جان لیں گے کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوتا ہے؟ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إن اللہ لا یغفر أن یشرك بہ" (بیشک اللہ تعالیٰ اسے معاف نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے) نیز آپ اُس دین کی حقیقت کو بھی جان لیں گے جس کے ساتھ از اول تا آخر سارے رسولوں کی بعثت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کسی سے اس دین کے سوا کچھ بھی قبول نہیں کرے گا۔ اسی کے ساتھ آپ یہ بھی جان لیں گے کہ لوگوں کی غالب اکثریت آج اُس دین سے ناواقف ہے۔ اِس سے آپ کو دو فائدے حاصل ہوں گے:

پہلا فائدہ: یہ کہ آپ کو اس بات کی خوشی ہوگی کہ اللہ نے آپ کو اپنے خاص فضل ورحمت سے نوازا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذلك فلیفرحوا" (آپ کہہ دیجئے کہ بس لوگوں کو اللہ کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیے) دوسرا فائدہ جو آپ کو حاصل ہوگا وہ اللہ کا خوف عظیم ہے۔ جب آپ یہ بات جان لیں گے کہ انسان زبان سے نکالے ہوئے ایک کلمہ کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ ناواقفیت کی بنا پر وہ کلمہ زبان سے ادا کرتا ہے لیکن اِس معاملہ میں اس کی ناواقفیت کا عذر قبل قبول نہیں ہوگا۔[1] کبھی وہ اس کلمہ کو یہ سمجھ کر زبان سے ادا کرتا ہے کہ یہ اُسے

(۱) اِس عبارت سے یہ وہم ہوتا ہے کہ شیخ کے نزدیک مطلق طور پر جہالت کا عذر قابل قبول نہیں ہے۔ دوسری جگہوں پر خود شیخ کی عبارتوں سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے نزدیک مطلق طور پر جہالت کا عذر قابل قبول ہے مثلاً ان کا یہ قول: ہم جاہل اور ناواقف شخص کی تکفیر نہیں کرتے بلکہ ہم اُسے معذور سمجھتے ہیں، اس کا شمار مسلمانوں میں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اِس مسئلہ میں شیخ اہل سنت والجماعت کے مذہب پر ہیں وہ نہ تو جہالت کو مطلق طور پر عذر مانتے ہیں اور نہ جہالت کی وجہ سے مطلق طور پر عذر کی نفی کرتے ہیں۔ اس اہم مسئلہ پر تفصیلی کلام "نواقض الاسلام" کی شرح میں آئے گا اِن شاء اللہ۔

اللہ کی قربت عطا کرے گا جیسا کہ کفار نے سمجھا تھا، خاص طور پر اِس صورت میں جبکہ وہ بات اللہ نے دل میں ڈالی ہو جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ میں آیا ہے کہ ان کے متبعین نے اپنے صلاح و تقوی اور علم کے باوجود موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر ان سے کہا: "اجعل لنا إلٰها كما لهم آلهة" (آپ ان معبودوں میں سے ہمارے لئے بھی ایک معبود متعین کر دیجئے) یہ علم و آگہی شرک سے ڈرنے اور اس بات کی شدید خواہش میں اضافہ کر دے گی کہ اللہ تعالیٰ اُسے اِس طرح کی گمراہیوں میں پڑنے سے محفوظ رکھے۔

اِس اقتباس کا خلاصہ: اِس کے تحت اُن دو فائدوں سے آگاہ کرنا مقصود ہے جو یہاں بیان کئے گئے ہیں۔ پہلے مصنف رحمہ اللہ نے قارئین کے لئے تمام رسولوں کی دعوت، مشرکین قریش کے احوال اور کلمۂ توحید کے ساتھ لوگوں کے تعامل کو بیان کیا ہے اس کے بعد انہوں نے دو چیزوں کی یاد دہانی کرائی ہے۔

ایک یہ کہ انسان کو اللہ کے اِس فضل و رحمت پر خوش ہونا چاہئے کہ اس نے توحید سے واقف کرایا اور ان لوگوں میں شامل نہیں کیا جو توحید سے بالکل ناواقف ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ اپنے قصیدہ نونیہ میں کہتے ہیں:

واجعل لقلبك مقلتين كلاهما   من خشية الرحمٰن باكيتان

لوشاء ربك كنت أيضاً مثلهم   فالقلب بين أصابع الرحمٰن

(تم اپنے دل کی دو آنکھیں بناؤ، دونوں آنکھیں رحمٰن کے ڈر سے روئیں۔ اگر تمہارا رب چاہتا تو تم بھی اِن مشرکین کی طرح ہوتے، اس لئے کہ دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں)

دوسری چیز یہ کہ توحید اور شرک سے آگاہ ہو جانے کے بعد شرک سے ڈرنا بھی ضروری ہے۔ انسان کے پاس توحید کے تعلق سے جو کچھ علم ہے یہ اس کا تکملہ ہے، اس لئے کہ کبھی انسان شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اُسے اِس کا احساس تک نہیں ہو پاتا ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہوا۔[1] توحید کا علم ہو جانے کے بھی شرک سے ڈرنا رسولوں کا طریقہ ہے۔ موحدین کے امام ابرہیم علیہ السلام جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے بتوں کو توڑا تھا، اپنے رب عزوجل سے اِس طرح دعا مانگتے ہیں"واجنبني وبنيَّ أن نعبد الأصنام" (اے رب! مجھے اور میرے بیٹے کو بت پرستی سے بچانا)

ابراہیم تیمی کہتے ہیں: ابراہیم علیہ السلام کے بعد کون آزمائش سے اپنے کو مامون سمجھ سکتا ہے۔ ابن جریر نے اس قول کی روایت کی ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے کتاب التوحید میں یہ باب قائم کیا ہے: شرک سے ڈرنے کا بیان۔

مصنف رحمہ اللہ آیت کریمہ "لقد أوحي إليك وإلى الذين من قبلك لئن أشركت ليحبطن عملك" (یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا) کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہر شخص توحید کا علم سیکھنے کا آخری حد تک محتاج ہے۔ جب انبیائے کرام اس کے محتاج تھے اور اس علم کو سیکھنے کی شدید چاہت رکھتے تھے تو دوسرے انسانوں کو تو اور زیادہ اس کی ضرورت ہو گی۔ اس آیت میں ان جاہلوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ انہوں نے توحید کو جان لیا ہے، اب انہیں توحید کو سیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: اِس لا علاج بیماری[2] سے چھٹکارا پانے کے اسباب میں سے ہے کہ اِس کی بنیاد اور اس کے وسائل وذرائع کی تلاش میں رہا جائے تاکہ آپ بے شعوری کی حالت میں اس کے اندر مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس بیماری سے محفوظ رہنے کے اسباب میں سے یہ ہے کہ صدق دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اس بیماری سے محفوظ رہنے اور توحید پر ثابت قدمی کی دعا

---

(۱) موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے متعلق گفتگو کتاب التوحید کی شرح میں گزر چکی ہے۔

(۲) اِس سے شرک مراد ہے۔

مانگی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر اِس دعا کا ورد کیا کرتے تھے:"اللھم یا مقلب القلوب والأبصار [1] ثبت قلبی علی دینك" جیسا کہ خلیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے خلوص و توجہ کے ساتھ یہ دعا مانگی تھی "رب اجعل البلد آمنا واجنبني وبنيَّ أن نعبد الأصنام" (اے میرے رب! تو اِس شہر کو امن و آشتی کا گہوارہ بنادے اور تو مجھے اور میرے بیٹے کو بت پرستی سے بچا)

---

(۱) حدیث میں "الأبصار" کا لفظ نہیں ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"اللھم مصرف القلوب صرف قلوبنا علی طاعتك" (اے اللہ تو دلوں کو پھیرنے والا ہے تو ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت کی طرف پھیر دے) یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا کرتے تھے: "یا مقلب القلوب ثبت قلبي علی دینك" (اے دلوں کو پھیرنے والے تو میرے دل کو اپنے دین ہر ثابت قدم رکھ) اِس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ شیخ البانی نے اِسے صحیح کہا ہے۔

آپ یہ بات جان لیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے جس نبی کو بھی اِس توحید کے ساتھ مبعوث کیا تو اس کے لئے دشمنوں کو بھی متعین کر دیا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وكذٰلك جعلنا لكل نبي عدواً شياطين الإنس والجن“(اور اِسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی اور کچھ جن)

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ توحید کے دشمنوں کے پاس بہت سے علوم اور دلیلیں ہوتی ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”فلما جاءتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم“(پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترانے لگے)

جب آپ نے اِن باتوں کو جان لیا اور یہ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے راستہ پر کچھ ایسے دشمن بیٹھے ہوئے ہیں جو فصاحت اور علم و دلائل سے لیس ہیں۔ اس صورت حال میں آپ پر یہ واجب ہے کہ آپ کے پاس اللہ کے دین کا اتنا علم ہو جو آپ کے لئے ہتھیار کا کام کرے اور اس کے ذریعہ آپ ان شیطانوں سے جنگ کریں جن کے امام و پیشوا نے آپ کے رب عزوجل سے کہا تھا: ”لأقعدن لهم صراطك المستقيم“(میں ضرور ان کے لئے آپ کی سیدھی راہ پر بیٹھوں گا)

لیکن اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رہیں اور اللہ کی حجتوں اور روشن دلیلوں کو کان لگا کر غور سے سنیں تو پھر آپ کو ڈرنے اور غمگین ہونے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إن كيد الشيطان كان ضعيفاً“(یقین مانو کہ شیطانی حیلہ (بالکل بودا اور) کمزور ہے)

موحدین کی صف کا ایک عامی بھی اِن مشرکین کے ایک ہزار علم والوں پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:”وإن جندنا لهم الغالبون“(اور ہمارا ہی لشکر غالب

(اور برتر) رہے گا) اللہ کا لشکر ہی حجت اور زبان سے غالب رہنے والا ہے جیسا کہ اللہ کا لشکر شمشیر وسنان سے غالب آتا ہے۔ خوف واندیشہ صرف اس موحد کے بارے میں ہے جو ہتھیار کے بغیر توحید کے راستہ پر چلتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب ہدایت کو نازل کر کے ہم لوگوں پر احسان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اس کتاب میں ہر چیز کی حقیقت کھول کر بیان کر دیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے: "تبيانا لكل شيء و هدى ورحمة" (اس کتاب میں ہر چیز کا شافی بیان ہے اور ہدایت ورحمت ہے) جب بھی کوئی باطل پرست کوئی حجت لے کر آتا ہے تو قرآن کی آیتیں اس کا توڑ پیش کرتی ہیں اور اس کے بطلان کو واضح کر دیتی ہیں جیسا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ولا يأتونك بمثل إلا جئناك بالحق وأحسن تفسيراً" (یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتا دیں گے) کچھ مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت ہر طرح کی حجت کو شامل جسے اہل باطل قیامت تک پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اس کے تحت موحد کو توحید کے دشمنوں سے آگاہ کیا گیا ہے اوران کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

مصنف رحمہ اللہ نے پچھلے متن میں موحد کی رہنمائی اِس بات کی طرف کی تھی کہ توحید کو سیکھنا اور شرک سے ڈرتے رہنا واجب ہے۔ اِس متن کے تحت انہوں نے توحید کو سیکھنے کی راہ میں رکاوٹ بننے والے سبب کی نشاندہی کی ہے جو توحید کے دشمنوں کی شکل میں اہل توحید کے لئے گھات لگا کر بیٹھتے ہیں۔ نیز انہوں نے اِسی تعلق سے چند باتیں بھی بیان کی ہیں:

ا۔ حق و باطل کے درمیان عداوت روئے زمین پر اللہ کی سنت ہے کوئی داعی الی اللہ بمشکل ہی اِس سے محفوظ رہاہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کاارشادہے: "وكذٰلك جعلنا لكل نبي عدوا ًمن المجرمين"(اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بعض گناہ گاروں کو بنادیاہے)دوسری جگہ ارشادہے:"وكذٰلك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الإنس والجن"(اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے، کچھ آدمی کچھ جن)نیز طویل حدیث جو وحی کے آغاز کے سلسلہ میں ہے، میں آیاہے کہ ورقہ بن نوفل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: جو شخص بھی دنیامیں وہ پیغام لے کر آیاجو تم لے کر آئے ہو تواس کے ساتھ دشمنی کی گئی۔(متفق علیہ)

روئے زمین پر اللہ کی اس سنت کے پیچھے کئی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک حق کی طاقت اور باطل کی کمزوری کو ظاہر کرنا بھی ہے۔

ابن تیمیہ فتاویٰ میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب وہ اپنے دین کو غالب کرنے کا ارادہ کرلیتاہے تواس کے مخالفین کھڑا کر دیتاہے۔

ابن تیمیہ الجواب الصحیح میں لکھتے ہیں: جب حق کا انکار کیا جاتاہے اور شبہات کے ذریعہ اس کی مخالفت کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ حق کے روشن دلائل اور واضح براہین کے ذریعہ اُسے غالب کر دیتاہے اور ٹھوس حجتوں کے ذریعہ مخالفین کے فساد کو واضح کر دیتاہے۔اس کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی نشانیوں اور دلائل کو سامنے لاتا ہے اور ان کے ذریعہ باطل سے حق کو، گمراہی سے ہدایت کو، محال سے سچائی کو، سیدھی راہ سے کجروی کو، فساد سے صلاح کو اور صحیح سے غلط کو نمایاں کر دیتاہے۔یہ لوگوں کے لئے ایک آزمائش ہوتی ہے جو خبیث وطیب اور پاک وناپاک کو ایک دوسرے سے الگ کر کے رکھ دیتی ہے۔

ہمارے شیخ ابن عثیمین کہتے ہیں: ایسا اس وجہ سے ہوتا ہے کہ دشمن کا وجود حق کو نکھار دیتاہے اور اُسے بالکل واضح کر دیتاہے۔جب حق کی مخالفت کی جاتی ہے تو حجت مزید طاقتور ہو کر سامنے آتی ہے۔

ایک دلچسپ نکتہ: ہمارے شیخ ابن عثیمین نے لکھاہے کہ یہ مجرمین رسولوں پر اور ان کے متبعین پر دو طریقے سے حملہ آور ہوتے ہیں؛ ایک تشکیک کے راستہ سے، دوسرے عداوت و دشمنی کے راستہ سے، اِسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وكفى بربك هاديا ونصيراً"(آپ کا رب راستہ دکھانے والے اور مدد کرنے والے کے طور پر کافی ہے) جسے حق کے

تعلق سے شک میں مبتلا کیا جاتا ہے اللہ اُسے صحیح راستہ دکھاتا ہے اور جس پر ظلم و زیادتی کی جاتی ہے اللہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔(تھوڑے حذف و اضافہ کے ساتھ)

۲۔ حق کے یہ دشمن دو طرح کے ہیں:

(أ) وہ جو اپنے عقائد و اعمال کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ یہ لوگ اپنے سرداروں اور شیوخ کی تقلید کرتے ہیں۔اِن کی تعداد زیادہ ہے۔ کفار کے تعلق سے اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد میں یہ لوگ شامل ہیں:"إنا وجدنا آباءنا على أمة وإنا على آثارهم مهتدون"(ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک مذہب پر پایا اور ہم ان ہی کے نقشِ قدم پر چل کر راہ یافتہ ہیں)اور اِس کے بعد والی آیت میں آیا ہے:"وإنا على آثارهم مقتدون" (ہم تو ان ہی کے نقشِ پا کی پیروی کرنے والے ہیں)

(ب) وہ جن کے پاس مغالطہ آمیز علم ہے جس کے ذریعہ وہ حق کے معاملہ میں مغالطہ پیدا کرتے ہیں اور اپنے شبہات کے ذریعہ حق کے معاملہ میں التباس پیدا کرتے ہیں اور ان ہی سے اصل نقصان پہنچتا ہے۔ یہ اپنے متبعین کو بھی حق کی طرف جانے سے روکتے ہیں اور موحدین کے لئے بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔[۱] اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فلما جاءتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم[۲]" (پس جب کبھی ان کے پاس ان کے رسول کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے تو یہ اپنے پاس کے علم پر اترا گئے)

---

(۱) اِن میں سے کچھ وہ ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس جو علم ہے وہی حق ہے۔ ان میں سے کچھ لوگ باطل کے ذریعہ مباحثہ کرتے ہیں جبکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ باطل پر ہیں۔ العیاذ باللہ

(۲) یہاں عذر کرنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو بینات کہا گیا ہے کیونکہ وہ بہت روشن اور واضح ہوتی ہے اور اہلِ باطل کے پاس جو کچھ ہے اُسے علم کہا گیا ہے اس لیے کہ علم کے نفع بخش اور غیر نفع بخش دونوں طرح کا ہوتا ہے۔

۳۔ اِن باطل پرستوں میں دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اپنے مغالطہ آمیز علم اور شبہات کے ذریعہ سننے والے کو ورغلاتے ہیں اور اپنی چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ سننے والے کو حق کے تعلق سے شک میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی فصاحت لسانی کے ذریعہ حق کو باطل اور باطل کو حق کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: اہل باطل کے پاس جو حجتیں ہوتی ہیں وہ انبیاء علیہم السلام سے بطور وراثت منتقل ہونے والی حجتیں نہیں ہوتیں بلکہ یہ خوابوں کی باتیں اور گڑھی ہوئی جھوٹی باتیں ہوتی ہیں۔ جب یہ لوگ انہیں حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں تو وہ دھوکہ دیتی ہیں جبکہ انہیں اِن کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اللہ کے اس ارشاد کے بارے میں کہاہے: "وكذٰلك جعلنا لكل نبي عدوا شياطين الإنس والجن يوحى بعضهم إلى بعض زخرف القول غروراً" (اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بہت سے شیطان پیدا کئے تھے کچھ آدمی کچھ جن جنمیں سے بعض بعضوں کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے تھے تاکہ ان کو دھوکہ میں ڈال دیں) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں خبر دی ہے کہ تمام انبیائے کرام کے کچھ دشمن ہوئے ہیں جو انسانوں اور جنات میں سے شیطان صفت لوگ تھے۔ یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کے ذریعہ ورغلاتے تھے۔ آیت میں وارد لفظ، "الغرور" سے مراد التباس پیدا کرنا اور شکل مسخ کرنا ہے۔ ہر اس کلام یا عمل کا یہی حال ہوتا ہے جو رسولوں کی لائے ہوئے دین و شریعت کے برخلاف ہوتا ہے۔۔۔۔ اس کے بعد اللہ کا ارشاد ہے: "ولتصغىٰ إليه أفئدة الذين لا يؤمنون بالآخرة" (تاکہ ان لوگوں کے دل اس کی طرف متوجہ ہوں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے) اِس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولوں کی مخالفت اور آخرت پر ایمان کو ترک کرنا ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم ہے۔ جس کا آخرت پر ایمان نہیں ہوتا ہے وہ رسولوں کے دشمنوں کی چکنی چپڑی باتوں کی طرف توجہ دیتا ہے اور رسولوں کی مخالفت کرتا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: کچھ علماء کہتے ہیں کہ آیت میں انسانوں میں سے جو شیاطین ہیں ان کا تذکرہ پہلے آیا ہے، اس لئے کہ یہ باطل کی ترویج و تلقین کے معاملہ میں جناتوں میں سے جو شیاطین ہیں ان سے بڑھ کر ہیں، کیونکہ انسانوں میں سے جو شیاطین ہیں وہ محبت کرنے والے خیر خواہ کی شکل میں سامنے آتے ہیں اور اپنے برتاؤ اور زبان سے نرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

شیخ محمد بن ابراہیم ہی کا قول ہے: جس راستہ کی یہ حالت ہو کہ لوگ اس پر گھات لگا کر بیٹھے ہوں، طرح طرح کی رکاوٹیں کھڑی کئے ہوں۔ کئی طرح کے ہتھیاروں سے لیس ہو کر بیٹھے ہوں، مختلف قسم کی حجتوں اور دلائل کے ساتھ آئے ہوں اور ہر طرح کے مکر و فریب کو آزماتے ہوں اس راستہ کے بارے میں انسان کیسے بے خوف اور مامون ہو سکتا ہے ؟!

۴۔ مصنف رحمہ اللہ نے پہلے راہ حق کی صورت حال کو واضح کر دیا اور توحید کے دشمنوں کے خطرناک حملے سے آگاہ کر دیا جو باطل کو سجا سنوار کر پیش کرتے ہیں تاکہ وہ اپنے شبہات اور گمراہیوں کو حق کا روپ دے دیں۔ اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اِن حملوں سے نجات کی راہ کی نشاندہی کی ہے اور توحید کے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے جس ہتھیار کی ضرورت ہے اُسے بیان کر دیا ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا، اس کی نازل کردہ آخری کتاب کا علم حاصل کرنا اور اُسے صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش کرنا۔ اِسی میں باطل پرستوں کے ہر شبہ کا رد ہے۔ [1]

مصنف رحمہ اللہ نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حق کے اِن ہتھیاروں سے لیس ہو جائے تو وہ جلد ہی باطل کی کمزوری و بے ثباتی کا مشاہدہ کر لے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بل نقذف بالحق على الباطل فيدمغه فإذا هو زاهق" (بلکہ ہم سچ کو جھوٹ پر پھینک مارتے ہیں پس سچ جھوٹ کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ اُسی وقت نابود ہو جاتا ہے) اِس معاملہ کی

---

(۱) مسروق کہتے ہیں: خواہش پرستوں کی تمام باتوں کا قرآن میں رد موجود ہے لیکن کبھی ہماری رسائی وہاں تک نہیں ہوتی ہے۔

شعبی کے بقول: جس نے بھی اسلام میں کوئی نئی بدعت ایجاد کی تو کتاب اللہ کی کسی آیت نے اس کی تکذیب کر دی۔

امام احمد کا قول ہے: اگر انسان قرآنی آیات پر غور کرے تو اُسے اس کے اندر ہر بدعتی کی ایجاد کردہ بدعت کا رد مل جائے گا۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: قرآن نے ان تمام چھوٹے بڑے معانی و مفاہیم کی طرف رہنمائی کر دی ہے جن کے بارے میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔

ابن قیم نے "حادی الأرواح" میں ابن تیمیہ کا یہ قول نقل کیا ہے: میں اِس کا التزام کرتا ہوں کہ کوئی بھی باطل پرست جب بھی کسی آیت یا صحیح حدیث سے اپنی باطل پرستی پر استدلال کرتا ہے تو اُسی دلیل میں کوئی ایسی بات ہوتی ہے جو اس کے قول کے برخلاف مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔

حقیقت کو واضح کرنے والی قرآن کی اِس خوبصورت تعبیر کو دیکھئے ارشاد ہے:"ولا يأتونك بمثل إلا جئناك بالحق وأحسن تفسيراً"(یہ آپ کے پاس جو کوئی مثال لائیں گے ہم اس کا سچا جواب اور عمدہ توجیہ آپ کو بتادیں گے)

اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے اُس موحد کا حال بیان کیا ہے جس کے پاس علم شرعی کا ہتھیار نہیں ہوتا ہے۔ وہ باطل پرستوں کی باتوں سے فتنہ کا شکار ہوجاتا ہے اور باطل پرستوں کا مقابلہ نہیں کرپاتا۔ العیاذ باللہ۔ آج بہت سے لوگوں کی یہی حالت ہے جو ذرائع ابلاغ وغیرہ کے توسط سے گمراہ کن پروپیگنڈہ کرنے والوں کی باتوں کے جھانسے میں آجاتے ہیں کیونکہ ان کے پاس بنیادی شرعی علم نہیں ہوتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ بندہ جب باطل پرستوں کی باتوں کو مسلسل سنتا ہے۔ اور اُسے قبول کرتا ہے تو اُسے حق کو اُس کی جگہ سے ہٹانے اور اُس میں تحریف کرنے کی لت پڑ جاتی ہے۔ جب وہ باطل کو قبول کرلیتا ہے، اس سے محبت کرتا اور اس سے راضی ہوجاتا ہے، پھر جب اُس باطل کے خلاف حق اس کے سامنے آتا ہے تو وہ اُسے ٹھکرادیتا ہے اور بشرط قدرت اس کی تکذیب کرتا ہے ورنہ اس میں تحریف کردیتا ہے۔

ابن قیم رحمہ اللہ ایک دوسری جگہ کہتے ہیں: یہ باطل پرست اور ان کے قبیل کے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ نے ارادہ ہی نہیں کیا، اس لئے کہ اگر ان کا دل پاک ہوجاتا تو وہ حق سے منہ نہیں موڑتا اور اللہ اور اس کے رسول کے کلام کے بدلہ باطل کو اختیار نہیں کرتا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب: شیخ رحمہ اللہ کے کلام میں دو ایسی عبارتیں ہیں جو بظاہر ایک دوسرے سے متعارض ہیں۔ کچھ شارحین کے لئے اِن دونوں عبارتوں کی تشریح مشکل ہوگئی۔ وہ دونوں عبارتیں یہ ہیں: موحدین میں سے ایک عام آدمی مشرکین کے ایک ہزار علم والوں پر بھاری ہے۔ دوسری عبارت یہ ہے: اندیشہ اُس موحد کے بارے میں ہے جو توحید کی راہ پر چلتا ہے لیکن اس کے پاس علم کا ہتھیار نہیں ہوتا ہے۔

شیخ محمد بن ابراہیم نے اِس اشکال کا سب سے اچھا جواب دیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ علم سے مراد اجمالی علم ہے۔ اگر ایک عامی موحد کے پاس معمولی علم اور دلائل ہوں تو وہ یقینی طور پر اہل باطل پر غالب آجاتا ہے۔ اندیشہ اُس موحد کے بارے میں ہے جس کے پاس علم کا معمولی ہتھیار بھی نہ ہو۔ وہ فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ [1]

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن بن محمد بن عبد الوہاب اِس کی مثال بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: علم کا دعوی کرنے والے کچھ لوگوں نے اولیاء کے تصرف کرنے کے مسئلہ پر اور انہیں پکارے جانے کے مسئلہ پر اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد سے استدلال کیا ہے: "ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون" (جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید ہوئے انہیں ہرگز مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندے ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں) اِس کے جواب میں بعض عام مسلمانوں نے کہا: اگر یرزقون میں یاء کو فتح کے ساتھ پڑھا گیا ہوتا تو اِن کی بات قابل توجہ ہوتی لیکن جب یاء کو ضمہ کے ساتھ فعل مجہول کے طور پر پڑھا گیا ہے تو یہ ان کے خلاف ہی حجت ہے۔

---

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: موحدین میں سے عامی وہ ہے جس نے اپنے دین کے دلائل کو جان لیا، اگرچہ وہ فقیہ اور عالم نہ ہو۔ اس سے عامی جاہل مراد نہیں ہے۔ ہاں البتہ وہ عامی جو عقلی حجت سے ناواقف ہو اور ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ ایک ہزار ہی نہیں بلکہ ہزاروں علم والے مشرکین پر غلبہ حاصل کر لیتا ہے، اس لئے کہ مشرکین کی حجتیں بودی، باطل پر مبنی اور جھوٹے خواب ہوا کرتی ہیں۔ اِن مشرکین کے پاس جو حق ہوتا ہے وہ درحقیقت ان ہی کے دعوے کا رد ہوتا ہے۔ اندیشہ اُس موحد کے بارے میں ہوتا ہے جو اللہ کی عبادت کرنے والا اور توحید کی سیدھی راہ پر چلنے والا ہوتا ہے جو توحید کی راہ پر چلتا ہے لیکن اس کے پاس ہتھیار نہیں ہوتا جس کے ذریعہ وہ اپنے دین کی طرف سے دفاع کر سکے۔ ہتھیار سے مراد وہ حجت ہے جسے دین کے دلائل کی شکل میں نہیں سیکھا۔ اس موحد کے بارے میں اندیشہ ہوتا ہے کہ اُسے قتل کر دیا جائے گا یا سولی پر لٹکا دیا جائے گا یا اس کا دشمن شیطان اور اس کا لشکر اُس کے دل میں ایسی بات ڈالیں گے جس کے ذریعہ اُسے سیدھی راہ سے بھٹکا دیں گے۔ اللہ نے ہم لوگوں پر اپنی کتاب نازل کر کے احسان کیا ہے جو اپنے آپ میں سب سے عظیم ہتھیار ہے۔ اس کتاب میں ہر چیز کی وضاحت، ہدایت اور مسلمانوں کے لئے خوشخبری ہے۔

میں آپ کے سامنے چند ایسی چیزیں بیان کروں گا جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں مشرکین کی باتوں کے جواب میں پیش کیا ہے۔ مشرکین اِن باتوں کے ذریعہ ہمارے خلاف حجت قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ اہل باطل کا جواب دو طریقے سے دیا جاسکتا ہے؛ ایک اجمالی طور پر دوسرا تفصیلی طور پر۔

مجمل جواب بھی بہت زبردست ہے اور اس میں سمجھنے والوں کے لے بہت بڑا افائدہ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأُخر متشاب هات" (وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اُتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں) نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور محکم کو چھوڑ دیتے ہیں تو سمجھ لو کہ یہ وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے لہذا تم ان سے بچو۔[1]

اس کی مثال یہ ہے کہ جب کچھ مشرکین آپ سے کہیں کہ "ألا إن أولياءالله لا خوف علىهم ولا هم يحزنون" (آگاہ رہو کہ اللہ کے ولیوں کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں) یا یہ کہیں کہ شفاعت حق ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء کا جاہ و مرتبہ ہے یا وہ کوئی حدیث

---

(۱) عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ "هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأُخر متشابهات فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنه وابتغاء وتأويله وما يعلم تأويله إلا الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا" تلاوت کرنے کے بعد فرمایا: جب تم ایسے شخص کو دیکھو جو متشابہ کے پیچھے پڑ جاتا ہو سمجھ لو کہ اللہ نے اِس آیت میں ان ہی کا تذکرہ کیا ہے۔ تم ان سے دور رہو۔ (متفق علیہ)

نبوی پیش کر کے اپنے باطل پر استدلال کرے اور آپ کو اس کا معنی و مفہوم معلوم نہ ہو تو اُسے یہی جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے کہ جن کے دلوں میں کجی ہوتی ہے وہ محکم کو چھوڑ دیتے ہیں اور متشابہ کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔

میں نے آپ کے لئے جو بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ لوگ اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتے تھے اور ان کے کفر کی وجہ یہ تھی کہ وہ فرشتوں، انبیاء اور اولیاء سے تعلق رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔ یہ محکم اور پختہ بات ہے، کوئی شخص اس کے معنی و مفہوم کو تبدیل کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ اے مشرک! تو نے میرے سامنے جو قرآن یا کلام رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کیا ہے تو میں اس کے صحیح مفہوم سے واقف نہیں ہوں۔[1] البتہ میں یہ بات وثوق کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اللہ کے کلام میں تضاد نہیں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کلام الٰہی کے برخلاف نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ ایک بہترین اور درست جواب ہے لیکن اِسے وہی سمجھ سکتا ہے جسے اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے۔ وہ اِسے معمولی نہیں سمجھتا ہے۔ اس تعلق سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وما يلقاها إلا الذين صبروا وما يلقاها إلا ذو حظٍ

(۱) مصنف رحمہ اللہ کا قول (میں اس کا صحیح مطلب نہیں سمجھتا ہوں) کا دو مطلب ہو سکتا ہے؛ ایک تو یہ کہ علماء نے اس کا کیا جواب دیا ہے وہ مجھے معلوم نہیں ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اِس کا وہ مفہوم مجھے معلوم نہیں ہے جو تم مراد لے رہے ہو۔ شیخ محمد بن ابراہیم نے مصنف رحمہ اللہ کے قول (میں اِس کا مفہوم و مطلب نہیں جانتا ہوں) کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ تم نے جو مفہوم مراد لیا ہے اس پر یہ کلام دلالت کر رہا ہے یا نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔ ہمارے شیخ کہتے ہیں: جس مفہوم کا تم دعوی کر رہے ہو میں اس سے واقف نہیں ہوں۔ میں اس کا انکار کرتا ہوں۔ میں اس کا اقرار نہیں کرتا ہوں۔

عظیم" (اور یہ بات ان ہی کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کریں اور اسے سوائے بڑے نصیبے والوں کے کوئی نہیں پا سکتا)

اس اقتباس کا خلاصہ: اس متن کے تحت مخالفین کے شبہات کے رد کا طریقہ بیان کیا گیا ہے۔ یہاں سے مصنف رحمہ اللہ نے کتاب کے دوسرے حصے کی شروعات کی ہے۔ مقدمہ کے متعلق کلام کو ختم کرنے کے بعد اب اصل موضوع پر کلام کررہے ہیں اور وہ ہے مخالفین کے شبہات کا رد۔ مصنف رحمہ اللہ نے بتایا ہے کہ یہ رد دو طرح سے کیا جاسکتا ہے؛ ایک اجمالی رد اور دوسرا تفصیلی رد۔

مصنف رحمہ اللہ نے اِس متن کے تحت صرف اجمالی رد کا تذکرہ کیا ہے اور بطور مثال اہل باطل کے تین دلائل کا ذکر کیا ہے جن سے وہ اپنے باطل موقف پر استدلال کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے ان شبہات کے اجمالی رد کا طریقہ بیان کیا ہے۔

ہمارے شیخ کہتے ہیں کہ مناظرہ اور مباحثہ میں حصہ لینے والے علماء کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ مخالفین کی باتوں کا اجمالی جواب دیں تاکہ اس جواب میں وہ بات بھی شامل ہوجائے جو التباس پیدا کرنے والے اور شبہات کھڑا کرنے والے کہنا چاہتے ہوں۔ پھر ہر مسئلہ کا الگ الگ مفصل جواب دیا جائے۔

اجمالی طریقہ سے رد کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ جب مخالفین کسی دلیل کے ذریعہ اپنے باطل پر استدلال کرے تو ہم اس سے یہ کہیں کہ یقینی طور پر شرعی دلائل ایک دوسرے سے معارض نہیں ہوتے ہیں۔[1]

---

(1) ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے: یہ جان لینا نہایت ضروری ہے کہ حق کے دلائل میں تضاد نہیں ہوتا ہے ایسا نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالی کسی چیز کی خبر دے، چاہے وہ خبر مثبت ہو یا منفی، جو اس کی دی ہوئی پہلی خبر کے برخلاف ہو۔ نیز ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ جو بات خبر الٰہی کے بغیر عقل سے سمجھی جاتی ہے وہ عقل میں اتر جانے والی خبر الٰہی کے برخلاف ہو۔ وہ دلائل جن سے علم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے ان میں باہم تضاد نہیں ہوسکتا ہے، چاہے دونوں دلیلیں سمعی ہوں یا عقلی ہوں یا ان میں سے ایک سمعی اور دوسری عقلی ہو۔ تضاد دراصل اس میں ہوتا ہے جسے لوگ غلط فہمی کی بنیاد پر دلیل سمجھ بیٹھتے ہیں حالانکہ وہ دلیل نہیں ہوتی۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ مزید (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"ولو كان من عند غير الله لوجدوا فيه اختلافاً كثيراً"(اگر یہ کلام اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اِس میں بہت زیادہ اختلاف پاتے) تم نے جو باطل کو ثابت کرنے کے لئے حق پیش کیا ہے یہ مشتبہ معاملہ ہے اور یہ ناقابل فہم بھی ہے۔ واضح اور محکم معاملہ اس کے برخلاف ہے۔ میں محکم کو لازم پکڑتا ہوں پس تمہارا طریقہ گمراہ اور کجرو لوگوں کا طریقہ ہے جو متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"هو الذي أنزل عليك الكتاب منه آيات محكمات هن أم الكتاب وأخر متشابهات فأما الذين في قلوبهم زيغ فيتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنة وابتغاء تاويله وما يعلم تاويله إلا الله والراسخون في العلم يقولون آمنا به كل من عند ربنا" (وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری جس میں واضح مضبوط آیتیں ہیں جو اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ آیتیں ہیں پس جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں فتنے کی طلب اور ان کی مراد کی جستجو کے لئے حالانکہ ان کے حقیقی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا اور پختہ و مضبوط علم والے یہی کہتے ہیں کہ ہم تو ان پر ایمان لا چکے ہیں، یہ ہمارے رب کی طرف سے ہیں)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے محکم کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔"منه آيات محكمات هن أم الكتاب" یعنی کتاب الٰہی میں یہ محکم آیتیں ہی مرجع ہیں جنکی طرف رجوع کیا جائے گا۔ متشابہ کی تفسیر اِن محکمات آیات کے ذریعہ کی جائے گی، متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں تضاد کا پہلو نظر نہ آئے۔ گمراہ اور کجرو لوگ متشابہ آیات کے پیچھے لگ جاتے ہیں اور ان کے ذریعہ جاہلوں کو التباس میں ڈال دیتے ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے سمعی دلائل کی دو قسمیں بیان کی ہیں: ایک محکم دوسری متشابہ اور متشابہ کو سمجھنے کے لئے محکم ہی کو اصل قرار دیا ہے۔ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ جو بات محکم کے ظاہری مفہوم کے برخلاف ہو گی وہ متشابہ ہے، اُسے محکم کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اِسی پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔

اہل حق کا طریقہ یہ ہے کہ وہ متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاتے ہیں۔

= کہتے ہیں: میں نے دیکھا ہے کہ جب کوئی باطل پرست کسی آیت یا صحیح حدیث سے اپنے باطل پر استدلال کرتا ہے تو اس میں اس کے باطل کے خلاف ہی دلیل ہوتی ہے۔

اہل باطل کا طریقہ یہ ہے کہ

۱۔ وہ محکم کو چھوڑ کر متشابہ کے پیچھے لگ جاتے ہیں۔

۲۔ متشابہ کو سمجھنے کے لئے اہل علم کی طرف رجوع نہیں کرتے ہیں۔

بیشتر اہل بدعت اور حق کے مخالفین اپنے باطل کے لئے متشابہ سے استدلال کرتے ہیں۔

یہ اجمالی رد مباحثوں کے لئے بہت مفید ہے۔ اس طریقۂ رد کی خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ یہ عوام الناس اور کم علم لوگوں کے لئے بہت مناسب ہے۔ مفصل رد دینی علوم کا کوئی عالم ہی کر سکتا ہے۔

۲۔ رد کا یہ طریقہ عمومی ہوتا ہے۔ یہ تمام شبہات اور جہالتوں کے لئے فائدہ مند ہوتا ہے۔ تفصیلی رد میں ہر شبہ کا ایک خاص جواب اور رد ہوتا ہے۔

مفصل جواب: اللہ کے دشمنوں کے رسولوں کے لائے ہوئے اصل دین پر بہت سے اعتراضات ہیں۔ان اعتراضات کے ذریعہ وہ لوگوں کو اصل دین کو قبول کرنے سے روکتے ہیں۔ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں کرتے ہیں بلکہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں، کے سوانہ کوئی خالق ہے،نہ کوئی رازق ہے،نہ کوئی زندگی اور موت کا مالک ہے،نہ کوئی معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے اور نہ کوئی نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے۔ نیز ہم یہ گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں تو پھر عبدالقادر وغیرہ بدرجۂ اولیٰ اپنے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتے ہیں، لیکن اصل بات یہ ہے کہ ہم گناہ گار ہیں اور نیک لوگوں کا اللہ کے پاس مرتبہ ہے، میں نیک لوگوں کے ذریعہ مانگتا ہوں۔کتاب کے ایک نسخہ میں یہ ہے کہ میں نیک لوگوں کے جاہ ومرتبہ کو واسطہ بنا کر مانگتا ہوں۔ آپ اس کا وہی جواب دیجئے جو اوپر گزرا یعنی یہ کہ اے باطل پرست! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی لوگوں سے جنگ کی تھی جو تمہاری ذکر کردہ باتوں کا اقرار کرتے تھے۔وہ لوگ یہ مانتے تھے کہ ان کے بت معاملات کی تدبیر نہیں کرتے ہیں۔ ان لوگوں نے جن غیر اللہ کا قصد کیا تھا ان سے وہ شفاعت وجاہ کے طلب گار تھے۔اس سلسلہ میں اللہ نے اپنی کتاب میں جو کچھ بیان کیا اُسے پڑھ کے سنایئے اور اُس کی وضاحت کیجئے۔

مصنف رحمہ اللہ نے اجمالی جواب کے تعلق سے اپنی بات ختم کرنے کے بعد تفصیلی جواب کے بارے میں بات شروع کی ہے۔اس کے تحت ہر شبہ کا جواب مناسب طور پر دیا جائے گا۔

پہلا شبہ: شرک یہ ہے کہ غیر اللہ کے لئے وجود میں لانے، اثر انداز ہونے اور تدبیر کرنے کا اعتقاد رکھا جائے۔ جو شخص اللہ کے لیے توحید ربوبیت کا قائل ہو اور صالحین سے صرف شفاعت کا طلبگار ہو تو وہ مشرک نہیں ہے۔ اِسی بنیاد پر وہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر دعا، ذبح، اور استغاثہ (فریاد) وغیرہ کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا جائے تو وہ شرک نہیں ہو گا الا یہ کہ جس کے لئے اِن کاموں کو انجام دیا گیا ہے اُسے نفع وضرر کا مالک سمجھا جائے۔ اگر اس کے لئے نفع وضرر کا عقیدہ نہ رکھا جائے اور اِسے صرف تقرب کا ذریعہ سمجھ کر اس لئے انجام دیا جائے کہ یہ اللہ کے نزدیک سفارش کریں گے اور اللہ کے نزدیک اپنے جاہ ومرتبہ کی وجہ سے فائدہ پہنچائیں گے تو یہ شرک نہیں ہے۔

اِس شبہ کے جواب کا خلاصہ: یہ ہے کہ وہ کفار جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی تھی۔ یہ مانتے تھے کی اللہ تعالیٰ ہی خالق، رازق اور زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے بھی نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں ان کے شرک کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے غیر اللہ کو واسطے اور اللہ کے نزدیک سفارشی بنالئے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایاہے:"ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى اللہ زلفىٰ"(ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تا کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں) دوسری جگہ ان کے بارے میں ارشاد فرمایا:"ويقولون هؤلاء شفعائنا عند اللہ"(وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں)

اِس شبہ کا جواب مقدمہ میں گزر چکا ہے جہاں اس سبب کی وضاحت کی گئی ہے جس کی وجہ سے کفار قریش کا خون بہانا جائز ہو گیا تھا۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: اِس شبہ کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے دور کے مشرکین نے جن باتوں کو مانا تھا ان میں تم نے کچھ بھی اِضافہ نہیں کیا۔ جو ان کا عمل تھا وہی تمہارا عمل ہے۔ تم اور وہ دونوں برابر ہیں۔

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن، داوٗد بن جرجیس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں: جسے علم سے معمولی درجہ کا بھی سابقہ ہے اور رسولوں کے لائے ہوئے دین کی طرف جس کی تھوڑی سی بھی توجہ ہے وہ جانتا ہے کہ ہر دور میں ہر قوم کے مشرکین نے جن معبودوں کی عبادت کی ان سے صرف سبب، وسیلہ اور سفارش کا ارادہ کیا ہے۔ ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر کسی اور کو مستقل بالذات ہونے اور صاحب تصرف ہونے کی بات نہیں کہی۔ صرف دو شخصوں نے اپنے لئے تصرف اور اختیار

کی بات کی؛ ایک فرعون دوسرا وہ جس نے اپنے رب کے بارے میں ابراہیم علیہ السلام سے بحث کی تھی۔(الدرر السنیۃ ۱۲/۱۹۳)

ان لوگوں کی چند مثالیں جنھوں نے اس شبہ کی بنیاد رکھی:

۱۔ علوی احمد حداد کہتا ہے: یہ لوگ چاہے جتنی بھی انبیاء یا اولیاء کی تعظیم کریں لیکن یہ لوگ ان کے بارے میں وہ اعتقاد نہیں رکھتے ہیں جو اعتقاد اللہ تعالیٰ کے بارے میں رکھتے ہیں کہ وہی حقیقی خالق ہیں جو عمومی طور پر اور مکمل طور پر پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک انبیاء اور اولیاء کی وجاہت اور مرتبہ کے قائل ہیں وہ بھی جزئی طور پر۔ یہ لوگ کچھ چیزوں کو مجازاً انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اصل فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

۲۔ احمد بن زینی دحلان کہتا ہے: جو چیز شرک میں مبتلا کرتی ہے وہ غیر اللہ کے بارے میں الوہیت کا عقیدہ ہے یا غیر اللہ کے لئے موثر ہونے کا عقیدہ ہے۔ کوئی مسلمان غیر اللہ کی الوہیت کا عقیدہ نہیں رکھتا ہے اور کوئی مسلمان اللہ کے سوا کسی کے موثر ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتا ہے۔

یہاں پر الوہیت سے ربوبیت مراد لیا گیا ہے اور لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ توحید سے واقف ہی نہیں ہیں واللہ المستعان۔

۳۔ یوسف دجوی کہتا ہے: مجھے نہیں معلوم کہ کیسے اُن لوگوں کی تکفیر کی جاتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے، وہ ہر چیز کا مالک ہے، اس کے ہاتھ میں ہر چیز کی ملکیت و اختیار ہے، ہر معاملہ اُسی کی طرف لوٹتا ہے۔ وسیلہ اختیار کرنے والا اپنے وسیلہ میں اس کو دہراتا ہے۔ اللہ کے نزدیک اپنے کسی خاص کو وسیلہ بنانے والا یہ کہتا ہے کہ فاعل تو اللہ ہی ہے۔ اس نے جس کا وسیلہ پکڑا ہے اس کی طرف فعل اور تخلیق کو منسوب نہیں کرتا ہے۔ وہ بس اللہ کے نزدیک اس کی قربت اور مرتبہ کو ثابت کرتا ہے۔ اگر ہم دیکھیں کہ اس نے کسی چیز کو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے تو اس کے ایمان کے بموجب ہم جانتے ہیں کہ یہ نسبت مجازی ہے، حقیقی نہیں ہے مثلاً لوگ کہتے ہیں کہ موسم ربیع نے سبزیوں کو اُگایا۔

وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اگر وسیلہ پکڑنے والا اور غیر اللہ سے فریاد کرنے والا یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معاملات میں تصرف کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ حقیقت میں کوئی چیز اللہ ہی سے طلب کی جاتی ہے، اصل معاملہ اُسی کی ذات سے وابستہ ہے، اللہ کے

سوا کوئی بھی نفع وضرر اور اٹھانے اور گرانے پر قادر نہیں ہے لیکن اِسی کے ساتھ وسیلہ بنانے والا اُس سے مخاطب ہوتا ہے اور اس کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرتا ہے جو رب کے نزدیک مقرب اور صاحب جاہ ہے۔ تو یہاں حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مانگا جارہا ہے نہ کہ اس کے سوا کسی اور سے، اگرچہ بظاہر وہ غیر اللہ کی طرف متوجہ ہے۔ مفہوم اور معنی کے اعتبار سے اس میں کوئی حرج نہیں ہے!

۴۔ جمیل صدقی زہاوی کہتا ہے: مشرکین اِس وجہ سے کافر ٹھہرے تھے کہ وہ فرشتوں، انبیاء اور اولیاء کے بارے میں عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ کے ساتھ یہ سب بھی معبود ہیں اور بذات خود نفع وضرر کے مالک ہیں۔

۵۔ یوسف نبہانی کہتا ہے: جب آپ مسلمانوں کے عوام وخواص میں سے ہر ایک کی صورت حال کا جائزہ لیں گے تو آپ انہیں دنیوی واخروی حاجات کی تکمیل کے لئے فریادوں کے ذریعہ اللہ کے تقرب کے لیے کوشاں پائیں گے۔ وہ لوگ اِس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی مطلق طور پر تمام کاموں کو انجام دینے والا ہے۔ وہی تنہا حقیقی تعظیم کا مستحق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

یہ سب سے بڑا شبہ ہے جس نے اُن لوگوں کو اللہ کی توحید سے روک دیا اور ان کے لئے شرک کو جائز کر دیا۔ اِس کا جواب بھی ممکنہ حد تک بہت وضاحت کے ساتھ دیا گیا ہے کہ صرف دعا، نذر، استغاثہ (فریاد) اور ذبح وغیرہ عبادات کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا ہی اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ یہ آیات ان لوگوں کے بارے میں میں نازل ہوئی ہیں جو بت پرستی میں مبتلا تھے۔ آپ صالحین کو بتوں کے مثل کیسے قرار دیتے ہیں؟ یا آپ انبیاء اور اصنام کو ایک ہی صف میں کیوں رکھتے ہیں؟

اس کے قائل کو وہی جواب دیجئے جو پیچھے گزر چکا ہے۔ جو یہ بات تسلیم کرے کہ کفار اللہ کے لئے ہر طرح کی ربوبیت کی گواہی دیتے تھے اور وہ جن اعمال کو بتوں کے لئے انجام دیتے تھے اس سے ان کا مقصد شفاعت کا حصول ہوتا تھا لیکن جب وہ اپنے اور کفار کے عمل کے درمیان فرق کرے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا تو آپ اس کو بتائیں کہ کفار میں سے کچھ بتوں سے دعا مانگتے تھے اور کچھ لوگ اولیاء سے دعا مانگتے تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "أولئك الذين يدعون يبتغون إلى ربهم الوسيلة أيهم أقرب" (جنھیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے) وہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کو پکارتے تھے اور ان سے دعا مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ما المسيح ابن مريم إلا رسول قد خلت من قبله الرسل وأُمه صديقةٌ" (مسیح ابن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں، اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں، ان کی والدہ ایک راست باز عورت تھیں)

اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پیش کیجئے: "وَيوم يحشرهم جميعاً ثم يقول للملائكة أهؤلاء إياكم كانوايعبدون قالوا سبحانك" (اور ان سب کو اللہ اس دن جمع کرکے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے) نیز یہ آیت بھی اس کے سامنے تلاوت کیجئے: "وإذ قال الله يا عيسىٰ بن مريم أأنت قلت للناس

اتخذوني وأمي إلٰهين من دون اللہ قال سبحانك"(اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو! عیسیٰ کہیں گے کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں)

اِن آیات کو پیش کرنے کے بعد اس کو کہئے کہ کیا اب تم نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کا قصد کرنے والوں کو بھی کافر کہا ہے اور صالحین (نیک لوگوں) کا قصد کرنے والوں کو بھی کافر کہا ہے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کی ہے۔

دوسرا شبہ: اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ اِس دور کے مشرکین کے بقول وہ آیات جن سے موحدین مشرکین کے شرک کو ثابت کرتے ہیں مثلاً مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: "ما نعبدهم إلا ليقربونا إلى اللہ زلفىٰ" (ہم ان کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں) نیز اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "ويقولون هؤلاء شفعاءنا عند اللہ" (وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں) یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو بتوں کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم لوگ بتوں کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔ ہم تو صالحین (نیک لوگوں) کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اِن کا اللہ کے نزدیک جاہ و مرتبہ ہے۔ یہ ہمیں اللہ سے قریب کرتے ہیں۔

اِس کا جواب دو طرح سے دیا گیا ہے:

۱۔ دونوں کا عمل ایک ہے یعنی عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا اور غیر اللہ کا قصد کرنا۔ یہ بات گزر چکی ہے کہ اِلٰہ (معبود) ہی مقصود ہوتا ہے جس پر اعتماد کیا جاتا ہے، چاہے وہ کوئی بت ہو یا نبی ہو یا کوئی نیک انسان ہو۔

۲۔ تمام مشرکین بتوں کی عبادت نہیں کرتے تھے یا سارے مشرکین بتوں کی عبادت اور ان سے اپنی ضرورتوں کے لئے مانگنے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ کچھ مشرکین نیک لوگوں، انبیاء اور فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ قرآن نے حکم لگانے میں دونوں کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی ہے اور تم نے حکم لگانے میں دونوں کے درمیان فرق کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے کہ کچھ مشرکین نے فرشتوں کی عبادت کی تھی مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ”ويوم يحشرهم جميعاً ثم يقول للملائكة أهؤلاء إياكم كانوا يعبدون قالوا سبحانك“(اور اِن سب کو اللہ اس دن جمع کرکے فرشتوں سے دریافت فرمائے گا کہ کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے، وہ کہیں گے تیری ذات پاک ہے)

ان میں سے کچھ مشرکین نے عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام کی عبادت کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”وإذ قال الله يا عيسىٰ ابن مريم أأنت قلت للناس اتخذوني وأمي إلٰهين من دون الله قال سبحانك“ (اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جبکہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم! کیا تم نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی علاوہ اللہ کے معبود قرار دے لو! عیسیٰ عرض کریں کہ میں تو تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں)

ان مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے نیک لوگوں اور اولیاء کی عبادت کی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”أولئك الذين يدعون يبتغون إلى ربهم الوسيلة أيهم أقرب“[(1)] (جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے

---

(1) اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ”أولئك الذين يدعون“ میں جنہیں پکارا جاتا تھا ان سے کون مراد ہیں؟ اِس معاملہ میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اِس سے فرشتے مراد ہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ اِس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں، تیسرا قول یہ ہے کہ اِس سے عزیر علیہ السلام مراد ہیں اور چوتھا قول یہ ہے کہ اس سے جنات مراد ہیں۔

ابن جریر نے صحیح بخاری میں منقول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کہ اِس سے جنات مراد ہیں انہوں نے دوسرے اقوال کا جواب بھی دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں: اِس آیت کی تفسیر میں سب سے راجح قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ہے جو عن ابی معمر عن ابن مسعود کی سند سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے جنہیں مشرکین بطور معبود پکارتے تھے، وہ عہد نبوی میں اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے تھے۔ یہ بات معلوم ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عزیر علیہ السلام موجود نہیں تھے کہ وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو کرتے، عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر اُٹھالئے گئے تھے۔ رب کا تقرب تو وہی تلاش کرے گا جو زندہ اور موجود ہو گا، اللہ کی اطاعت کے کاموں کو انجام دیتا ہو گا اور اپنے نیک اعمال کے ذریعہ اللہ کے تقرب کی جستجو کرتا ہو گا۔ رہا وہ جو کوئی عمل کر ہی نہیں سکتا ہے وہ کس چیز کے ذریعہ رب کا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ غیر موجود کو مراد لینے کی صورت میں اِس قول کا مطلب ہی نہیں ہو گا، لہذا اِس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہوجائے) یہ نیک لوگ بت نہیں تھے۔ یہ بات پیچھے گزر چکی ہے کہ یہ مشرکین اِن کی ربوبیت کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ اِن لوگوں کے ذریعہ اُن نیک لوگوں کی عبادت یہ تھی کہ انہیں واسطے اور سفارشی بنالئے تھے۔ مشرکین کا یہ عمل بعینہ تمہارے عمل کی طرح ہے۔ یہ سن کر باطل سرنگوں ہوجائے گا۔

تنبیہ: اِس شبہ کا تعلق اِس سے پہلے کے شبہ سے ہے۔ جب اِن لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ غیر اللہ کے لئے کوئی عبادت انجام دینے سے انسان کافر نہیں ہوتا ہے اِلا یہ کہ وہ اُس غیر اللہ کے لئے ربوبیت کو بھی ثابت کرے۔ مصنف رحمہ اللہ نے یہ کہہ کر ان کا رد کیا تھا کہ تم نے جو بات کہی وہی مشرکین بھی کہتے تھے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد سے

= معاملہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول زیادہ مناسب ہے جسے میں نے آیت کی تفسیر کے لئے اختیار کیا ہے یا پھر جن لوگوں نے اِس سے فرشتوں کو مراد لیا ہے وہ بھی قابل توجہ ہو سکتا ہے۔ آیت کے ظاہری مفہوم میں یہ دونوں اقوال شامل ہو سکتے ہیں۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ آیت میں ہر وہ نیک شامل ہے جن کو پکارا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں: آیت میں ہر وہ بندہ شامل جسے اللہ کو چھوڑ کر پکارا جائے اور وہ مدعو اللہ کا وسیلہ تلاش کرتا ہے، یہاں وسیلہ قربت اور نزدیکی کے معنیٰ میں ہے۔ وہ مدعو اللہ کی رحمت کی امید لگاتا ہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہے۔ اس میں فرشتے، انبیاء، اور نیک جن وانس شامل ہیں۔ ایک جماعت نے (أولئك الذين تدعون) پڑھا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین جن کو پکارتے ہیں وہ خود اللہ کے تقرب کی تلاش میں رہتے ہیں، اس سے امید لگاتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں، لہذا ان کو پکارنا کیسے جائز ہوگا؟ اللہ تعالیٰ کے اِس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے: "أفحسب الذين كفروا أن يتخذوا عبادي من دوني أولياء" (کیا کافر یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ میرے سوا وہ میرے بندوں کو اپنا حمایتی بنالیں گے)

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنوں کی عبادت کرتے تھے، پھر جن اسلام لے آیا اور وہ لوگ اس کی عبادت کرتے ہی رہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو عزیر اور مسیح کی عبادت کرتے تھے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ اِن دونوں اقوال میں تضاد بھی نہیں ہے۔ یہ آیت دراصل ان لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی جو اللہ کو چھوڑ کر کسی کو پکارتے تھے۔ جسے پکارا جاتا تھا وہ اپنے آپ میں نیک تھا، اپنے رب کی رحمت کی امید رکھتا تھا اور اس کے عذاب سے ڈرتا تھا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ بات کہی ہے کہ جن کو تم پکارتے ہو وہ میرے بندے ہیں جیسے کہ تم میرے بندے ہو، میرے وہ بندے میری رحمت کی امید لگاتے ہیں اور میرے عذاب سے ڈرتے ہیں، لہذا تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم وہی کرو جو وہ کرتے ہیں۔

استدلال کیا ہے:"ما نعبد هم إلا ليقربونا إلى الله زلفىٰ" (ہم ان کی عبادت اِس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ نیز اللہ کے اِس ارشاد سے بھی استدلال کیا ہے:"ويقولون هؤلاء شفعاءنا عندالله" (یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں)

اِس کے جواب میں مشرکین نے کہا: یہ قیاس مع الفارق یعنی ایسی چیز پر قیاس کرنے کی طرح ہے جو یکساں نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ آیات مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں اور ہم مسلمان ہیں۔ نیز یہ آیات بتوں کی عبادت کرنے والوں کے بارے میں نازل ہوئیں تھیں، وہ بت جو نفع ونقصان کے مالک نہیں ہیں۔ تم ان بتوں پر صالحین اور انبیاء کو کیسے قیاس کر سکتے ہو؟

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمٰن بن حسن کہتے ہیں: مشرکین کے ساتھ مسلمانوں کے جو جھگڑے اور اختلاف ہوئے تھے، جس معاملہ کے لئے تلواریں بے نیام کی گئیں اور جس کی وجہ سے اہل کتاب کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تھی اور ان سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اسلام لے آئیں یا جزیہ ادا کریں۔ یہ سب انبیاء اور صالحین کو پکارنے کی وجہ سے ہی تو ہوا تھا۔ بت کی شکلیں بنا کر ان کی جو عبادت کی گئی تھی اُس کی وجہ یہی تو تھی کہ وہ مورتیاں اور وہ بت انبیاء، فرشتے اور نیک لوگوں کی شکل کے تھے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جو بھی غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے وہ دراصل شیطان کی عبادت کرتا ہے، اگرچہ وہ یہ سمجھتا ہو کہ وہ فرشتے یا انبیاء کی عبادت کر رہا ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: جس نے دن رات اللہ کی عبادت کی پھر اس نے کسی نبی یا ولی کی قبر کے پاس جا کر اُسے پکارا تو اُس نے یقینی طور پر دو معبود بنالئے۔

شیخ رحمہ اللہ اِس شبہ کے بارے میں کہتے ہیں: یہ ڈھال ہے جسے گمراہ جاہلوں نے اللہ کے کلام کو رد کرنے کے لئے تیار کر لیا ہے۔ جب ان سے کوئی کہتا ہے کہ اللہ کا یہ فرمان ہے تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ آیت فلاں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس باطل و فاسد شبہ کا جواب یہ ہے کی ان سے کہا جائے کہ قرآن اسباب کے تحت نازل ہوا۔ اگر قرآن کی آیتوں سے صرف ان ہی اسباب پر استدلال کیا جائے جن کے بارے میں وہ نازل ہوئیں تو استدلال باطل ہو جائے گا اور یہ دین سے خروج ہے۔ عہد صحابہ سے لے

کر آج تک ہر دور میں علماء نے یہود وغیرہ کے بارے میں نازل ہونے والی آیات سے ان لوگوں کے خلاف استدلال کیا ہے جو ان کے جیسا عمل کرتے ہیں۔

اگر مشرک کہے کہ کفار اپنے بتوں سے نفع وضرر کی امید رکھتے ہیں اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ صرف اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے پر قادر اور وہی معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے۔میں اپنی ہر ضرورت صرف اُسی سے طلب کرتا ہوں۔نیک لوگوں کو اِن میں سے کسی بھی چیز کا اختیار نہیں ہے تاہم میں اُن کا قصد اس لئے کرتا ہوں کہ میں اللہ سے یہ اُمید رکھتا ہوں کہ وہ ان کی سفارش کو قبول کرے گا۔اس کا جواب یہ ہے یہ بات اور کافروں کی باتیں دونوں ایک جیسی ہیں۔آپ اس کے سامنے اللہ کا یہ ارشاد پیش کریں:"ألا للہ الدین الخالص والذین اتخذوا دونہ أولیاء ما نعبدھم إلا لیقربونا إلی اللہ زلفیٰ" (آگاہ ہو رہو کہ خالص دین صرف اللہ کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا دوسرے کو سرپرست بنالیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم اِن کی عبادت اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں) نیز اللہ کا یہ ارشاد بھی پیش کیجئے:"ویقولون ھؤلاء شفعاؤنا عند اللہ" (وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں)

تیسرا شبہ: اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین جس کی طرف متوجہ ہوتے تھے اُن سے اپنی ضرورت کو طلب کرتے تھے، ہم نے ان سے اپنی ضروریات طلب نہیں کیں۔ہم نے اِن کو صرف واسطہ بنایا ہے۔

یہ شبہ بھی تقریباً پہلے شبہ ہی کی طرح ہے اور وہ یہ کہ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ شرک یہ ہے کہ کوئی نیک لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور ان کے بارے میں یہ اعتقاد رکھے کہ وہ نفع وضرر کے مالک ہیں۔اگر ان کی طرف اِس اعتقاد کے ساتھ متوجہ ہو کہ صرف اللہ ہی نفع و نقصان کا مالک ہے، وہ ان سے صرف اللہ کے نزدیک سفارش کرنے کا ارادہ رکھے کیونکہ انہیں جاہ و مرتبہ حاصل ہے تو یہ شرک نہیں ہوگا۔درحقیقت وہ انہیں واسطہ بنا کر اللہ ہی سے مانگتے ہیں۔ایسا ہی وہ سمجھتے تھے۔

متن میں اِس شبہ کی مزید تفصیل یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ مشرکین کہتے ہیں: آپ ہمیں پہلے دور کے مشرکین پر کیسے قیاس کر سکتے ہیں جبکہ ہمارے اور ان کے فعل میں یکسانیت نہیں ہے۔ وہ کفار جن سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کی جن کو پکارتے تھے، اُن کا بلاواسطہ قصد بھی کرتے تھے اور ان سے نفع ونقصان کی امید بھی رکھتے تھے۔وہ لوگ اِس طرح کہتے تھے:اے بتوں!ہمیں رزق عطا کرو، ہمیں دوسری نعمتیں دو، ہماری مصیبت کو دور کرو،وہ لوگ اسی طرح دوسری حاجتیں طلب کرتے تھے۔یہ غیر اللہ سے مانگنا ہوا ہمارا معاملہ الگ ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نفع ونقصان اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ہم صرف اللہ سے مانگتے ہیں۔ہم اِس طرح نہیں کہتے:اے فلاں!میری مصیبت دور کر دو بلکہ ہم اِس طرح کہتے ہیں:میری مصیبت دور کرنے کے لئے اللہ سے دعا کر دو یا اللہ کے نزدیک ہماری سفارش کر دو۔

جس نے غیر اللہ سے مانگا اور جس نے اللہ سے صالحین کے واسطہ سے مانگا دونوں کو آپ ایک خانہ میں کیسے ڈال سکتے ہیں؟!

اس شبہ کا جواب: یہ ہے کہ یہ بعینہ وہی فعل ہے جسے مشرکین انجام دیا کرتے تھے۔ وہ مشرکین اپنے معبودوں، اپنے نیک لوگوں اور جن کی طرف وہ متوجہ ہوتے تھے ان کے نفع ونقصان کی قدرت رکھنے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے۔ وہ لوگ ان سے وہی کچھ چاہتے تھے جو تم چاہتے ہو اور وہ یہ کہ وہ ان کے لئے اللہ کے نزدیک واسطہ اور سفارشی بن جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی ہے کہ وہ مشرکین کہا کرتے تھے:" مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى " (ہم ان کی عبادت اِس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔) نیز وہ مشرکین یہ بھی کہتے تھے:" هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ "(یہ لوگ اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں۔)

اس شبہ کا سبب یہ ہوا کہ جب ان لوگوں نے پہلے یہ سمجھا کہ پہلے کے لوگوں کا شرک یہ تھا کہ وہ غیر اللہ کے لئے ربوبیت کا اعتقاد رکھتے تھے یعنی غیر اللہ کے نفع وضرر کا مالک ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے، پھر دوسرے مرحلہ میں اِن لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ پہلے کے مشرکین نفع وضرر کا مالک ہونے کی وجہ سے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

اس کے جواب میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آج بھی اور پہلے بھی ایسے لوگ ہوئے ہیں جو غیر اللہ کو بلاواسطہ پکارتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ معاملات میں الٹ پھیر کرنے پر قادر ہیں۔

شیخ عبد اللہ بن حسن کہتے ہیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ غیر اللہ کو سفارشی بنانا اور دل وزبان سے اس کی طرف متوجہ ہونا دل اور چہرہ کو اللہ کے حوالہ کرنے کے منافی ہے۔

شیخ عبد العزیز آل عبد اللطیف کہتے ہیں: اسی طرح مشرک کا یہ قول کہ "میں غیر اللہ کا قصد اور اس کی طرف توجہ اس لئے کرتا ہوں کیونکہ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ ان کی سفارش قبول کرے گا۔" اس کے اِس دعویٰ کے برخلاف ہے کہ "میں اللہ تعالیٰ ہی سے ہر چیز چاہتا ہوں" کیونکہ جس نے غیر اللہ کی طرف توجہ کی اس نے اللہ تعالیٰ، اس کی عبادت اور اس سے امید وغیرہ ہر چیز سے منہ موڑ لیا۔

آپ یہ بات جان لیں کہ یہ تینوں شبہات مشرکین کے ترکش کے سب سے اہم تیر ہیں۔

جب آپ یہ جان لیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اِن تمام شبہات کو اپنی کتاب میں بھی واضح کر دیا ہے اور اسے اچھی طرح سمجھ لیں گے تو ان کے بعد جو چیزیں سامنے آئیں گی وہ اِن شبہات کے مقابلہ میں آسان ہوں گی۔

مصنف رحمہ اللہ نے ان تینوں شبہات، ان کے جوابات اور ان کی کمزوری کو بیان کرنے کے بعد یہ بتایا ہے کہ مشرکین سب سے زیادہ ان ہی شبہات کو بطور استدلال پیش کرتے ہیں اور اِسے ہر جگہ پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب اِن شبہات کے جوابات کتاب اللہ میں اس شخص کے لئے بالکل ظاہر و باہر ہیں جو حق کی تلاش کے لئے اپنے کو فارغ کرلے تو ان کے علاوہ چیزوں کا باطل ہونا بدرجہ اولیٰ واضح ہو جائے گا۔ یہ اس لئے تاکہ آپ کے لئے وہ بات بالکل واضح ہو جائے جسے مصنف رحمہ اللہ نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے اور بطور دلیل قرآن کی ان آیتوں کو پیش کیا ہے: "إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا "(بلاشبہ شیطان کا مکروفریب بہت کمزور ہے)"وَإِنَّ جُندَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ" (بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہنے والا۔)

مصنف رحمہ اللہ یہاں پر علم شرعی کے ذریعہ اپنی حفاظت کرنے کے فائدہ کو بھی بیان کر رہے ہیں جو قوم کے شبہات کو دور کر دیتا ہے چاہے وہ مکڑی کے بنے ہوئے گھر کی طرح جتنے بھی بڑے اور بلند نظر آتے ہوں۔

یہ تینوں شبہات ایک دوسرے سے قریب بھی ہیں اور ترتیب وار بھی ہیں، ان کی اصل ایک ہے اور وہ ہے کفار قریش کے بارے میں کم علمی۔

پہلے شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک تاثیر کا عقیدہ رکھنے تک محدود ہے۔ جب ان کے سامنے یہ واضح کیا گیا کہ کفار قریش کا شرک شفاعت یعنی غیر اللہ کو سفارشی بنانے کے معاملہ میں تھا تو ان مشرکین نے کہا کہ پہلے دور کے لوگوں نے بتوں کو سفارشی بنایا تھا اور ہم یہ چیز صالحین یعنی نیک لوگوں سے طلب کرتے ہیں۔ یہ دوسرا شبہ ہے۔ جب ان سے یہ کہا گیا کہ پہلے دور کے مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے صالحین یعنی فرشتوں اور انبیاء کو سفارشی بنایا تھا اور ان سے شفاعت طلب کی تھی تو ان مشرکین نے یہ کہا کہ پہلے دور کے مشرکین نے بلاواسطہ طلب کیا تھا اور ہم انہیں اپنے اور اللہ کے درمیان واسطہ بناتے ہیں۔ یہ تیسرا شبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ابن قیم پر رحم کرے۔ انہوں نے اپنے قصیدہ نونیہ میں کہا ہے:

والعلم يدخل قلب كل موفق   من غيربواب ولااستئذان

ويرده المحروم من خذلانہ   لا تشقنا اللهم بالخذلان

(علم ہر صاحب توفیق انسان کے دل میں داخل ہو جاتا ہے، نہ اسے کوئی دربان روکتا ہے اور نہ اُسے اجازت لینے کی ضرورت پڑتی ہے۔ محروم انسان اپنی بے توفیقی کی وجہ سے علم کو واپس کر دیتا ہے۔ اے اللہ ہمیں توفیق سے محروم کر کے شقی و بد بخت نہ بنا۔)

اگر وہ مشرک کہے: میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔ غیر اللہ کی پناہ میں جانا اور ان سے دعامانگنا عبادت نہیں ہے۔

تو اس سے آپ کہئے: تم اِس بات کو مانتے ہو کہ اللہ نے عبادت میں اللہ کے لئے اخلاص کو تم پر فرض کیاہے۔ یہ تمہارے اوپر اللہ کا حق ہے۔

جب وہ کہے: ہاں، میں اسے تسلیم کرتا ہوں۔

تو آپ اس سے کہئے: اللہ نے عبادت میں جس اخلاص کو تمہارے اوپر فرض کیا ہے اس کے بارے میں بیان کرو۔ یہ تمہارے اوپر اللہ کا حق ہے۔ وہ عبادت اور اس کی اقسام کو نہیں جانتا ہو گا تو آپ اُسے عبادت کے بارے میں بتایئے اور اس کے سامنے یہ آیت پیش کیجئے: " ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً "(تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑ گڑا کے بھی اور چپکے چپکے بھی) یہ بتانے کے بعد اس سے دریافت کیجئے: کیا یہ دعامانگنا اللہ کی عبادت نہیں ہے؟

وہ یقینی طور پر کہے گا: ہاں، دعا عبادت ہی کا حصہ ہے۔

تب اس سے کہئے: جب تم تسلیم کرتے ہو کہ دعا عبادت ہے۔ تم نے دن رات ڈر اور امید کے ساتھ اللہ سے دعائیں مانگی ہیں، پھر تم نے اُسی ضرورت کے لئے کسی نبی وغیرہ سے دعامانگ لی تو کیا تم نے اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہیں کیا۔

وہ یقینی طور پر کہے گا: ہاں، یہ تو شرک ہے۔

اس کے بعد اس سے کہئے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ '' (آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے)۔ جب تم اللہ کی اطاعت کرتے ہو اور اس کے لئے قربانی کرتے ہو تو یہ عبادت نہیں ہے؟

وہ یقینی طور پر کہے گا: ہاں، یہ عبادت ہے۔

اب اس سے کہئے: جب تم نبی یا جن وغیرہ کسی مخلوق کے لئے قربانی کروگے یا جانور ذبح کروگے تو کیا یہ اللہ کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرنا نہیں ہوگا؟

آپ اُس مشرک سے یہ بھی کہئے: جن مشرکین کے بارے میں قرآن نازل ہوا کیا وہ فرشتوں، نیک لوگوں اور لات وغیرہ کی عبادت نہیں کرتے تھے؟

وہ یقینی طور پر کہے گا: ہاں، وہ ان کی عبادت کرتے تھے۔

تب اُس سے کہئے: کیا وہ مشرکین غیر اللہ کی عبادت اِس طور پر نہیں کرتے تھے کہ ان سے دعا مانگتے تھے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے اور ان کی پناہ حاصل کرتے تھے وغیرہ؟ وہ یہ مانتے تھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کی مشیئت کے تابع ہیں اور اللہ ہی معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے، اس کے باوجود ان لوگوں نے غیر اللہ سے دعائیں مانگیں اور جاہ وشفاعت کی وجہ سے ان کی پناہ طلب کی۔ یہ ساری باتیں واضح ہیں۔

چوتھا شبہ: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بقول مشرکین نیک لوگوں کی پناہ حاصل کرنا، ان سے دعا مانگنا اور ان کے لئے جانور ذبح کرنا ان کی عبادت نہیں ہے۔[1]

---

(۱) یہ عبادت کی حقیقت اور اس کے مفہوم سے ناواقف ہونے کا نتیجہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے جواب میں یہ چند باتیں ان کے سامنے بیان کی جائیں گی:

۱۔ پہلے اس کے سامنے یہ ثابت کیا جائے گا کہ عبادت صرف اللہ کا حق ہے لہذا عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا جائز نہیں ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جس کا کوئی انکار نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ" (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں، اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں۔)

۲۔ اس سے عبادت کے مفہوم اور اس کے ضابطہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ عام طور پر اس طرح کی بدعقیدگی میں مبتلا شخص اُس عبادت کے مفہوم سے ناآشنا ہوتا ہے جو اس پر واجب کی گئی ہے۔ اس وقت ہم اس کے سامنے عبادت کے معنیٰ و مفہوم کو واضح کریں اور وہ دین کو اللہ کے لئے خالص کرنا ہے۔

۳۔ اس کے سامنے یہ بیان کیا جائے کہ کسی سے دعا مانگنا، کسی کے لئے جانور ذبح کرنا اور کسی کی قسم کھانا عبادات میں سے ہے۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی تو پھر ان عبادات کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہوگا۔ اس بات کو دو طریقے سے ثابت کیا جائے گا:

(أ) ہم اس سے کہیں گے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً "(تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کرو گڑگڑا کے بھی اور چپکے چپکے بھی) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم دعا کے ذریعہ اس کی عبادت کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دعا عبادت ہے اور اُسے غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہے۔
ہم اس سے یہ بھی کہیں گے کہ کیا تم اپنی ضرورتوں کے لئے اللہ سے دعا مانگتے ہو؟ وہ یقینی طور پر کہے گا: ہاں، میں اللہ سے دعا مانگتا ہوں۔ تب ہم اس سے کہیں گے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم اس دعا کے ذریعہ اللہ کی عبادت کرتے ہو۔ وہ کہے گا: ہاں، ہم اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم اس سے کہیں گے: اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ سے دعا مانگنا جائز نہیں ہے۔ تب وہ مشرک لاجواب ہو جائے گا۔
اِسی طرح قربانی اور جانور ذبح کرنے کے بارے میں اس سے کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ " (اپنے رب کے لئے نماز پڑھئے اور قربانی کیجئے) اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے کہ

= کچھ لوگوں نے ان کے رد میں کہا ہے کہ جب ایک زندہ انسان جو ہوش و حواس اور حرکات و سکنات کے ساتھ ہو، دور سے آواز نہیں سنتا ہے تو عقل اِسے کیسے تسلیم کرے گی کہ وہ مرنے کے بعد قریب سے یا دور سے انسان کی آواز کو سن لے گا؟!

ہم قربانی کے ذریعہ اس کی عبادت کریں اور اس کا تقرب حاصل کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قربانی عبادت ہے لہذا اسے غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہے۔

یہی بات تمام عبادات کے تعلق سے کہی جائے گی جن کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

(ب) ہم اس مشرک سے یہ بھی کہیں گے: کیا پہلے دور کے مشرکین فرشتوں، جنوں اور صالحین کی عبادت نہیں کیا کرتے تھے؟ تو وہ کہے گا: ہاں اس کا انکار ممکن نہیں ہے۔ اگر وہ اس کا انکار کرے گا تو ہم ثبوت کے لئے اس سے متعلق آیات پیش کریں گے۔ پھر ہم اُسے بتائیں گے کہ اُن مشرکین کے ذریعہ غیر اللہ کی عبادت یہی تھی کہ وہ ان سے دعا مانگتے تھے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے اور ان سے فریاد کرتے تھے وغیرہ۔ وہ لوگ ان غیر اللہ کے بارے میں یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ خالق، رازق اور معاملات کی تدبیر کرنے والے ہیں۔ وہ لوگ ان غیر اللہ کے لئے نماز، روزہ اور حج جیسی عبادات کو انجام نہیں دیتے تھے۔

اس کی مزید تفصیل: یہ ہے کہ یہ لوگ جو مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، اچھی طرح جانتے ہیں کہ عبادت خالصتاً اللہ کا حق ہے اور کسی بھی قسم کی عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دینا شرک ہے۔ یہی حق بھی ہے۔ لیکن یہ لوگ اس شرعی ضابطہ کی تطبیق میں غلطی کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ کچھ عبادات کو غیر اللہ کے لئے انجام دیتے ہیں اور اسے اللہ سے تقرب کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ یہ سب اُس توحید سے ان کی ناواقفیت کی وجہ سے ہے جسے تمام رسول لے کر آئے تھے اور جس کی ان سب نے قوموں کو دعوت دی تھی۔

یہاں ایک دوسرا شبہ بھی ہے۔ یہ اُسی شبہ سے متعلق ہے جس کے ذریعہ دشمنان دین جاہلوں پر معاملہ کو مشتبہ کر دیتے ہیں۔ اس شبہ کو مصنف رحمہ اللہ نے یہاں ذکر نہیں کیا ہے۔ وہ شبہ یہ ہے کہ بقول مشرکین: دعا اور ندا (پکار) میں فرق ہے۔ قبر والوں سے دعا مانگنا شرک ہے اور قبر والوں کو پکارنا جائز ہے۔

داود بن جرجیس نے اس کھلواڑ کی بنیاد رکھی تھی۔ علماء نے اس کا کئی طرح سے رد کیا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَيَوْمَ يَقُولُ نَادُوا شُرَكَائِيَ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ" (اور جس دن وہ فرمائے گا کہ تمہارے خیال میں جو میرے شریک تھے انہیں پکارو! یہ پکاریں گے لیکن ان میں سے کوئی جواب نہ دے گا۔) علماء کہتے ہیں: اس آیت میں مشرکین کے عمل کو دعا سے تعبیر کیا گیا ہے اور انہیں جس بات کا حکم دیا جائے گا اسے ندا سے تعبیر کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَنُوحًا إِذْ نَادَىٰ مِن قَبْلُ "(نوح کے اس وقت کو یاد کیجئے جبکہ اس نے اس سے پہلے دعا کی)اس آیت میں نوح علیہ السلام کے دعا کرنے کے لئے لفظ"نادی" آیا ہے جو"دعا" ہی کے معنیٰ میں ہے کیونکہ نوح علیہ السلام ہی کے لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ" (پس اس نے اپنے رب سے دعا کی کہ میں بے بس ہوں تو میری مدد کر۔)

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهُۥ زَكَرِيَّآ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥ " (یہ ہے تیرے پروردگار کی اس مہربانی کا ذکر جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی تھی جبکہ اس نے اپنے رب سے چپکے چپکے دعا دعا کی تھی)اِس آیت میں بھی "نادی" دعا کے معنیٰ میں ہے کیونکہ دوسری جگہ زکریاعلیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے:" هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ "(وہاں پر زکریا نے اپنے رب سے دعا)

یونس علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ "(مچھلی والے (یونس علیہ السلام) کو یاد کرو جبکہ وہ غصہ سے چل دیا اور خیال کیا کہ ہم اسے نہ پکڑ سکیں گے بالآخر وہ اندھیروں کے اندر سے پکار اٹھا)اِس آیت میں بھی"نادی" دعا کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مچھلی والے میرے بھائی کی دعا کے ذریعہ جو مصیبت زدہ دعا کرے گا اللہ اسے کشادگی عطا کرے گا۔"

شیخ ابو بطین کہتے ہیں: خود کو اہل علم اور دیندار کہنے والے کچھ لوگوں کی یہ بات سن کر تعجب ہوتا ہے کہ قبر والوں اور غیر موجود لوگوں سے ان کا مانگنا دعا نہیں ہے بلکہ وہ ندا ہے۔ اس طرح کی نامعقول بات کہنے والے کو اگر لوگوں سے شرم نہیں آتی تو کیا اُسے اللہ تعالیٰ سے بھی شرم وغیرت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ اس طرح کی بری اور فساد پر مبنی بات کہتا ہے اور کم علم و نچلے طبقہ کے لوگوں میں اُسے پھیلاتا ہے۔۔۔ یہ نہایت بری اور قبیح بات ہے۔ اگر یہ بات پہلے سے جہلاء کے درمیان عام نہ ہوئی ہوتی تو اُسے نقل کرنا بھی شرمناک ہوتا۔

اگر وہ مشرک کہے: کیا آپ رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شفاعت کا انکار کرتے ہیں اور آپ کی شفاعت سے اظہار براءت کرتے ہیں؟

تو آپ اس سے کہئے: میں آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی شفاعت کا نہ تو انکاری ہوں اور نہ اس سے اظہار براءت کرنے والا ہوں بلکہ میں کہتا ہوں کہ آپ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ کی شفاعت کو اللہ قبول بھی کرے گا اور میں آپ کی شفاعت کا امیدوار بھی ہوں لیکن ہر طرح کی شفاعت کا اصل مالک اللہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" قُل لِّلَّهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا "(آپ کہہ دیجئے کہ ہر طرح کی شفاعت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے) نیز یہ کہ یہ شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہی ہو گی جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:" مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ "(کون ہے جو اللہ کے نزدیک شفاعت کرے گا مگر اس کی اجازت سے) نیز کسی کے حق میں کوئی شفاعت اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ "(وہ لوگ صرف اسی کے لئے شفاعت کریں گے جن کے لئے اللہ تعالیٰ راضی ہو گا اور وہ صرف اہل توحید سے راضی ہو گا جیسا کہ اس کا ارشاد ہے:"وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ " (اور جو شخص اسلام کے سوا کوئی دوسرا دین تلاش کرے گا اس سے اس کا دین ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔)

جب ہر طرح کی شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ یہ شفاعت اللہ کی اجازت سے ہی ہو گی۔ نبی کریم صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یا کوئی دوسرا کسی کے لئے اللہ تعالیٰ کی اجازت ہی سے شفاعت کریں گے۔ نیز یہ لوگ صرف اہل توحید ہی کی شفاعت کریں گے تو اِس سے یہ واضح ہو گیا کہ ہر طرح کی شفاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا میں اللہ تعالیٰ ہی سے شفاعت طلب کرتا ہوں اور اس کے لئے یہ دعا کرتا ہوں:

اے اللہ! تو مجھے نبی ﷺ کی شفاعت سے محروم نہ کرنا، اے اللہ! تو میرے حق میں نبی ﷺ کی شفاعت کو قبول کرنا۔ اسی طرح کی دوسری دعائیں۔

اگر وہ یہ کہے: نبی ﷺ کو شفاعت عطا کی گئی ہے اور میں نبی ﷺ سے وہی چیز مانگ رہا ہوں جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شفاعت عطا کی ہے اور تمہیں نبی ﷺ سے شفاعت طلب کرنے سے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا" (تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو)۔ تمہارا اللہ تعالیٰ سے نبی ﷺ کی شفاعت طلب کرنا عبادت ہے اور اللہ نے تمہیں اس عبادت میں کسی کو شریک کرنے سے منع کیا ہے۔ جب تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہو کہ وہ تمہارے بارے میں نبی ﷺ کی شفاعت کو قبول کرلے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی بھی تعمیل کرو "فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا " (تم اللہ کے ساتھ کسی اور سے نہ کچھ طلب کرو نہ اسے پکارو۔)

نیز یہ بات بھی ہے کہ نبی ﷺ کے علاوہ کو بھی شفاعت عطا کی گئی ہے۔ یہ بات شرعی طور پر ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اجازت سے فرشتے بھی شفاعت کریں گے، بچپن میں فوت ہونے والے چھوٹے بچے بھی اپنے والدین کے لئے شفاعت کریں گے اور اولیاء (اللہ کے مقرب بندے) بھی شفاعت کریں گے۔

کیا تمہارا یہ کہنا صحیح ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو شفاعت عطا کی ہے لہذا میں ان سے شفاعت طلب کروں گا؟!

اگر تم نے یہ بات کہی تو تم نیک لوگوں کی عبادت کی طرف پلٹنے والے ہو جاؤ گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

اگر تم یہ کہتے ہو کہ نہیں، میں ایسی بات نہیں کہتا ہوں تو پھر تمہارا یہ قول باطل ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو شفاعت عطا کی ہے۔ میں آپ ﷺ سے وہی چیز طلب کر رہا ہوں جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔

پانچواں شبہ: اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شفاعت عطا کی ہے۔

اس شبہ کا جواب کئی طریقے سے دیا جاسکتا ہے:

۱۔ شفاعت طلب کرنا دعا ہے اور دعا عبادت ہے، جس نے غیر اللہ سے دعا مانگی اس نے شرک کیا۔

۲۔ اِس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو شفاعت عطا کی ہے۔ آپ ﷺ شفاعت کرنے والوں میں سب سے عظیم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نعمت مطلق طور پر نہیں عطا کی گئی ہے کہ آپ ﷺ اپنی مرضی و خواہش کے مطابق اس میں تصرف کریں۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بعد ہی کسی کے لئے شفاعت کریں گے اور اللہ تعالیٰ صرف اسی کے حق میں شفاعت قبول کرے گا جس سے راضی ہو گا۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کسی کو بھی مطلق طور پر شفاعت کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ اللہ تعالیٰ صرف اُسی کے حق میں شفاعت کی اجازت دے گا جن کے حق میں شفاعت کی اجازت پہلے سے موجود ہو گی۔ شفاعت کرنے والوں کو مطلق طور پر شفاعت کی اجازت نہیں ہو گی۔

اسی بناء پر ہم یہ کہتے ہیں کہ شفاعت اللہ کی ملکیت ہے لہذا اسے اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کیا جائے گا۔ اِسی وجہ سے مسلمان یہ دعا کرتا ہے کہ اے اللہ! میرے حق میں اپنے نبی ﷺ کی شفاعت کو قبول فرما، اے اللہ! تو اپنے نبی ﷺ کی شفاعت سے مجھے محروم نہ کر۔ اِن دعاؤں میں اللہ تعالیٰ سے شفاعت طلب کی جا رہی ہے جو شفاعت کا مالک ہے۔ کسی مسلمان کے لئے اس طرح کہنا جائز نہیں ہے کہ اے اللہ کے رسول! آپ میرے لئے شفاعت کیجئے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: وہ لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت کے منکر ہیں۔ ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سبحان اللہ! یہ تو بہتان عظیم ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ شفاعت کرنے والے ہیں

اور آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ آپ ﷺ مقام محمود پر فائز ہوں گے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں جو عرش عظیم کا رب ہے کہ وہ ہمارے حق میں آپ ﷺ کی شفاعت کو قبول فرمائے اور ہمیں آپ کے جھنڈے کے نیچے جمع کرے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو شفاعت عطا کی ہے اور تمہیں نبی ﷺ سے شفاعت طلب کرنے سے منع کیا ہے لہذا تم نے جس طرح اللہ کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کرنے میں اس کی اطاعت کی ہے اُسی طرح اِس ممانعت میں بھی اس کی اطاعت کرو۔ اللہ کا ارشاد ہے:" وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا "(یہ مساجد اللہ کے لئے ہیں لہذا تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)

۴۔ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کے علاوہ کو بھی شفاعت عطا کی ہے مثلاً فرشتوں اور نیک مومنوں کو۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"فرشتوں نے شفاعت کی، نبیوں نے شفاعت کی، مومنوں نے شفاعت کی، اب صرف وہ ذات باقی ہے جو ارحم الراحمین (تمام رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے)(صحیح مسلم)

بچپن میں فوت ہونے والی اولاد بھی والدین کے لئے شفاعت کرے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے:"جس کی تین اولاد بچپن میں فوت ہوگئی ہو وہ اپنے والدین کو جہنم میں جانے سے بچائے گی۔ اگر ضروری ہوا تو انہیں اتنی مدت جہنم میں رہنا پڑے گا جس سے قسم پوری ہو جائے۔" (صحیح مسلم)

ہم اس مشرک سے کہیں گے: کیا تم اِن لوگوں سے بھی شفاعت طلب کروگے ؟

وہ دو میں سے کوئی ایک جواب دے گا:

(أ) وہ یا تو یہ کہے گا کہ ہاں، ہم اِن سے بھی شفاعت طلب کرنے کے قائل ہیں تو ہم اس سے کہیں گے کہ یہ غیر اللہ کی عبادت ہے۔ وہ مشرکین بھی یہی کرتے تھے جن کی ہدایت ورہنمائی کے لئے نبی کریم ﷺ کو مبعوث کیا گیا تھا۔ ان لوگوں نے فرشتوں سے شفاعت طلب کی تھی۔

(ب) یا پھر وہ یہ کہے گا: نہیں، ہم اِن لوگوں سے شفاعت طلب کرنے کے قائل نہیں ہیں۔ تب ہم اس سے کہیں گے: پھر تو تمہاری یہ حجت باطل ہوگئی کہ نبی ﷺ کو شفاعت عطا کی گئی ہے لہذا میں آپ ﷺ سے وہ چیز طلب کرتا ہوں جو اللہ نے آپ کو عطا کی ہے۔

تم نے شفاعت طلب کرنے کے معاملہ میں نبی ﷺ اور دوسروں کے درمیان تفریق کیوں کیا؟! تب مشرک لاجواب ہو جائے گا۔

اِس سے معلوم ہوا کہ کسی کو شفاعت عطا کئے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس سے شفاعت طلب کرنا جائز ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کہتے ہیں: جو یہ کہتا ہے کہ وہ مرنے کے بعد شفاعت طلب کرے گا وہ کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ ﷺ یا اجماع امت سے اِس کی دلیل پیش کرے گا۔ حق ہر چیز سے زیادہ لائق اتباع ہے۔

کتاب التوحید کی شرح میں شفاعت اور اس کے مسائل سے متعلق کلام گزر چکا ہے۔

اگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کرتا ہوں لیکن نیک لوگوں کی پناہ حاصل کرنا شرک نہیں ہے۔

تو آپ اُسے کہئے: جب تم یہ مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی حرمت کو زنا کی حرمت سے بھی زیادہ سنگین بتایا ہے۔ نیز تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں کرے گا تو پھر سوال یہ ہے کہ یہ کون سا سنگین عمل ہے جسے اللہ نے معاف نہ کرنے کی بات کہی ہے؟! وہ مشرک اِسے نہیں جانتا ہو گا۔

تب آپ اس سے کہئے: تم اپنے کو شرک سے بریٔ الذمہ کیسے قرار دے سکتے ہو جبکہ تم شرک کی حقیقت سے واقف نہیں ہو؟!

یہ کیسی بات ہے کہ اللہ نے تمہارے لئے شرک کو حرام کیا ہے اور یہ بتا دیا ہے کہ وہ شرک کو معاف نہیں کرے گا اور تم اس کے بارے میں پوچھتے بھی نہیں ہو اور جانتے بھی نہیں ہو؟!

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک کو حرام قرار دیا ہے اور اس کے بارے میں بتایا بھی نہیں ہے کہ شرک ہے کیا؟!

اگر وہ یہ کہے: شرک بتوں کی عبادت کا نام ہے اور ہم بتوں کی عبادت نہیں کرتے ہیں۔

تو اس سے کہئے: بتوں کی عبادت کرنے کا کیا مطلب ہے؟

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ وہ پتھر اور لکڑیاں (جن سے بت تراشے گئے تھے) پیدا کرتی ہیں، رزق دیتی ہیں اور اپنے پکارنے والے کے

معاملہ کی تدبیر کرتی ہیں؟ان مشرکین کے بارے میں یہ بات صحیح نہیں ہے،اس لئے کہ قرآن اس کی تکذیب کرتا ہے۔

اگر وہ یہ کہے: پہلے دور کے مشرکین لکڑی یا پتھر (جن سے بت تراشے گئے تھے) یا قبر کے اوپر بنائی گئی کسی عمارت وغیرہ کا قصد کرتے تھے، اُسے مدد کے لئے پکارتے تھے، اس سے دعا مانگتے تھے، اس کے لئے جانور ذبح کرتے تھے اور کہتے تھے: یہ ہمیں اللہ سے قریب کرتے ہیں، اللہ ان کی برکت سے ہماری مصیبت کو دور کرتا ہے اور اللہ اِس کی برکت سے ہمیں عطا کرتا ہے۔

تو اس سے کہئے: تم نے سچ کہا۔ یہی کام تم پتھروں اور قبروں کے اوپر بنائی گئی عمارتوں وغیرہ کے پاس جا کر کرتے ہو۔ تب وہ اقرار کرے گا کہ اُس کا عمل بھی بت پرستی ہی کے قبیل سے ہے۔ یہی مطلوب بھی ہے۔

اس مشرک سے یہ بھی کہا جائے گا: تمہارا یہ کہنا کہ شرک بت پرستی کا نام ہے۔ کیا اِس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ شرک بت پرستی کے ساتھ خاص ہے اور نیک لوگوں پر بھروسہ کرنا اور انہیں پکارنا اس میں شامل نہیں ہے؟

اس کی تردید اس سے ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے کہ فرشتوں، عیسیٰ علیہ السلام اور صالحین سے تعلق استوار کرنا کفر ہے۔

پھر وہ مشرک یقینی طور پر آپ کے سامنے یہ اقرار کرے گا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں نیک لوگوں میں سے کسی کو شریک کیا تو یہ وہی شرک ہے جس کا تذکرہ قرآن مجید میں آیا ہے۔ یہی مطلوب بھی ہے۔

اس مسئلہ کو اِس طرح بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ جب وہ مشرک کہے کہ میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا ہوں۔

تو آپ اس سے پوچھئے کہ اللہ کے ساتھ شرک کیا ہوتا ہے؟ تم وضاحت کرو۔

اگر وہ یہ کہے کہ شرک بت پرستی کا نام ہے۔

تو آپ اس سے پوچھئے کہ بتوں کی عبادت کا کیا مطلب ہے؟ تم اس کی وضاحت کرو۔

اگر وہ کہے کہ میں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں۔

تو آپ اس سے کہئے: اللہ تعالیٰ کی عبادت کا کیا مطلب ہے؟ تم اس کی وضاحت کرو۔

اگر وہ اس کے جواب میں وہی بات کہے جو میں نے اوپر بیان کی ہے تو یہی مطلوب ہے۔ اور اگر وہ یہ کہے کہ میں نہیں جانتا کہ اللہ کی عبادت کا کیا مطلب ہے۔ تو پھر وہ ایسا کام کرنے کا دعویٰ کیسے کر رہا ہے جس کے بارے میں کچھ جانتا ہی نہیں ہے؟

اگر وہ اللہ کی عبادت کا غلط مطلب بیان کرے تو پھر اس کے سامنے شرک باللہ اور بتوں کی عبادت سے متعلق واضح قرآنی آیات پیش کی جائیں اور کہا جائے کہ اس دور میں تم لوگ جو کچھ کر رہے ہو وہ بعینہ وہی ہے جو پہلے دور کے مشرکین کیا کرتے تھے۔ نیز اُسے بتایا جائے کہ ہم لوگ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس کا کوئی شریک نہیں، تم اس پر ہماری نکیر کرتے ہو اور اِس پر اُسی طرح چیختے ہو جس طرح تمہارے بھائی مشرکین چیخنے لگے تھے کہ " أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ۖ إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ "(کیا انھوں نے تمام معبودوں کو ایک معبود بنا دیا، یہ تو عجیب بات ہے۔)

چھٹا شبہ: کا خلاصہ یہ ہے کہ صالحین (نیک لوگوں) کی پناہ حاصل کرنا شرک نہیں ہے۔

یہ شبہ اور اس کا جواب بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ چوتھا شبہ اور اس کا جواب تھا۔ چوتھا شبہ عبادت سے متعلق تھا اور یہ چھٹا شبہ شرک سے متعلق ہے۔ دونوں کا نتیجہ اور انجام ایک ہی ہے۔ اگر مصنف رحمہ اللہ نے اس چھٹے شبہ کو چوتھے شبہ کے بعد ذکر کیا ہوتا تو یہ زیادہ مناسب تھا۔[1]

اس شبہ کے جواب کا خلاصہ: اس شبہ کا جواب چند نکات کے ذریعہ دیا گیا ہے:

۱۔ پہلے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ شرک حرام ہے اور دخولِ جنت میں مانع ہے۔ اس بات کا کوئی منکر بھی نہیں ہے۔

۲۔ اس سے شرک کا مطلب اور اس کا ضابطہ دریافت کیا جائے گا۔

عام طور پر اس طرح کا شرکیہ عقیدہ رکھنے والے شرک کی حقیقت سے واقف نہیں ہوتے ہیں جبکہ وہ سب سے بڑا گناہ ہے۔

تب ہم اُسے شرک کا مطلب سمجھائیں گے اور اس کی ناواقفیت کے سبب اُسے ان تمام اہم باتوں سے آگاہ کریں گے جو اس کے ذمہ واجب ہیں۔ ہم اسے کہیں گے: جس بات کو تم جانتے ہی نہیں ہو اس سے اپنے آپ کو بریٔ الذمہ کیسے قرار دیتے ہو؟!

اگر وہ کہے کہ شرک بت پرستی کا نام ہے تو ہم اُسے دو طرح سے جواب دیں گے:

(أ) ہم اسے کہیں گے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ بت پرستی یہ ہوتی ہے کہ جس کی عبادت کی جا رہی ہے اس کے خالق و رازق اور نفع وضرر کا مالک ہونے کا عقیدہ رکھا جائے تو تمہارا یہ خیال باطل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بتوں کی عبادت کرنے والے مشرکین کے بارے میں یہ خبر دی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو خالق ورازق اور نفع ونقصان کا مالک سمجھتے تھے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ مشرکین بتوں کی عبادت اِس طرح کرتے تھے کہ ان سے دعا مانگتے تھے، ان کا طواف کرتے تھے اور ان کے لئے جانور ذبح کرتے تھے تو یہی سارے کام تم اولیاء کی قبروں کے پاس کرتے ہو۔

(ب) ہم اس سے یہ کہیں گے کہ تمہارا یہ کہنا کہ بت پرستی ہی شرک ہے۔ اگر اس سے تمہاری مراد یہ ہے کہ شرک بتوں کی عبادت کے ساتھ خاص ہے اور بتوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی عبادت کرنا شرک نہیں ہے تو تمہاری یہ

---

(۱) اسی لئے مصنف رحمہ اللہ نے اس شبہ کی تلخیص "سر المسألة" کے عنوان سے کی ہے اس کے ساتھ چوتھے شبہ کی بھی تلخیص کی ہے۔

بات باطل ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین کے بارے میں خبر دی ہے جو فرشتوں، انبیاء اور صالحین کی عبادت کیا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک بت پرستی کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ شرک غیر اللہ کی عبادت کا نام ہے، چاہے اللہ کو چھوڑ کر جس کی بھی عبادت کی جائے، اگرچہ اس باطل معبود کے بارے میں ربوبیت کا عقیدہ بھی نہ رکھتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا "(مساجد اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں لہذا تم لوگ اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)اس آیت میں "أحداً" نکرہ استعمال ہوا ہے جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔

اگر وہ مشرک یہ کہے: پہلے دور کے لوگوں کو فرشتوں اور انبیاء کو پکارنے کی وجہ سے کافر نہیں کہا گیا۔ ان پر کافر ہونے کا حکم تب لگا جب انہوں نے یہ کہا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں اور ہم یہ نہیں کہتے ہیں کہ عبد القادر وغیرہ صالحین اللہ کے بیٹے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت کرنا مستقل طور پر کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ " (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے، اللہ بے نیاز ہے۔)

"الأحد" کا مطلب وہ ذات ہے جس کی کوئی نظیر نہ ہو۔

"الصمد" کا مطلب وہ ذات ہے ضرورتوں کی تکمیل کے لئے جس کا قصد کیا جائے۔

جس نے ان دونوں باتوں کا انکار کیا اس نے کفر کیا، اگرچہ اس نے اس سورہ اخلاص کے آخری حصہ کا انکار نہ کیا ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ "(نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) جس نے اس کا انکار کیا اس نے کفر کیا، اگرچہ وہ سورہ اخلاص کی ابتدائی دو آیتوں کا منکر نہ ہو۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ "(اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا نہیں بنایا ہے۔) اللہ تعالیٰ نے شرک کی ان دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کیا ہے اور دونوں کو مستقل طور پر کفر قرار دیا ہے۔

ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ "(ان لوگوں نے جنوں کو اللہ کا شریک بنالیا) اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کے کفر کو الگ الگ بیان کیا ہے۔

اس کی یہ دلیل بھی ہے کہ جو لوگ لات کو پکارنے کی وجہ سے کافر قرار دیئے گئے (جبکہ لات ایک نیک آدمی تھا) ان لوگوں نے لات کو اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا اور جن لوگوں کو جنوں کی عبادت کرنے کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ان لوگوں نے بھی جنوں کو اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا۔

اسی طرح چاروں مسالک کے علماء مرتد کے حکم کے تحت بیان کرتے ہیں کہ جس مسلمان نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا بیٹا ہے وہ مرتد ہو گیا۔ اسی طرح کسی مسلمان نے اللہ کے ساتھ شرک کیا تو وہ مرتد ہو گیا۔ اس طرح علماء ارتداد کی دونوں قسموں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ یہ بہت زیادہ واضح بات ہے۔

ساتواں شبہ: اِس کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلے کے کفار کے کفر کا سبب فرشتوں کو مدد کے لئے پکارنا اور ان سے دعا مانگنا نہیں تھا بلکہ ان کے کفر کا سبب ان کا یہ کہنا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

قبانی کہتا ہے: پہلے کے مشرکین کے کفر کو واجب کرنے والی علت انبیاء، اولیاء اور فرشتوں کے بارے میں ان کا یہ اعتقاد ہے کہ یہ سب اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نسبتوں سے بلند تر ہے۔ قبانی کی بات ختم ہوئی۔

اس شبہ کے جواب میں درج ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں:

ا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف بیٹے کی نسبت مستقل کفر ہے اور نیک لوگوں کی پناہ حاصل کرنا اور انہیں پکارنا مستقل کفر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں دونوں قسم کے کفر کو الگ الگ بیان کیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، اللَّهُ الصَّمَدُ "(آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے) یعنی اللہ تعالیٰ ہی تنہا وہ ذات ہے ضرورتوں کے لئے جس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ جس نے ضرورتوں کے لئے کسی دوسرے کا قصد کیا اس نے کفر کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ " (نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا) اب اس کے بعد جس نے یہ اعتقاد رکھا کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے اس نے کفر کیا۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " مَا اتَّخَذَ اللَّهُ مِن وَلَدٍ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ إِلَٰهٍ "(اللہ تعالیٰ نے نہ تو کسی کو اپنا بیٹا بنایا اور نہ اس کے ساتھ کوئی معبود ہے) ایک اور جگہ اللہ کا ارشاد ہے: " وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ ۖ وَخَرَقُوا

لَهُ بَنِينَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ " (اور لوگوں نے شیاطین کو اللہ تعالیٰ کا شریک قرار دے رکھا ہے حالانکہ ان لوگوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے اور ان لوگوں نے اللہ کے حق میں بیٹے اور بیٹیاں بلاسند تراش رکھی ہیں۔) ان میں سے ہر ایک عمل مستقل طور پر کفر ہے۔

۲۔ جو لوگ لات کو پکارنے کی وجہ سے کافر قرار دیئے گئے ان لوگوں نے اُسے اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا۔ جو لوگ جنوں کو پکارنے کی وجہ سے کافر قرار دیئے گئے ان لوگوں نے انہیں اللہ کا بیٹا نہیں بنایا تھا۔ وہ لوگ صرف ان کو پکارنے کی وجہ سے کافر قرار دیئے گئے۔

۳۔ چاروں مسالک کے علماء کا اس پر اجماع ہے کہ کفر صرف ایک قسم تک محدود نہیں ہے۔ اسی لئے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں متعدد چیزوں کی نشاندہی کی ہے جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ان کا اس پر اجماع ہے کہ جس نے یہ سمجھا کہ اللہ کا کوئی بیٹا ہے وہ مرتد ہے اور جس نے اللہ کے ساتھ شرک کیا وہ مرتد ہے۔ ان لوگوں نے دونوں قسموں کو الگ الگ ذکر کیا ہے اور دونوں کو مستقل کفر قرار دیا ہے۔

اگر وہ یہ کہے:" أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ "(یادرکھو اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ غمگین ہوتے ہیں۔)

تو آپ اس سے کہیئے: یہ حق ہے لیکن اولیاء کی عبادت نہیں کی جائے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اولیاء کی عبادت اور اللہ کے ساتھ انہیں شریک کرنے کے منکر ہیں۔ اولیاء سے محبت، ان کی اتباع اور ان کی کرامت کا اقرار آپ پر واجب ہے۔

اولیاء کی کرامتوں کا انکار صرف اہل بدعات اور گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ اللہ کا دین دونوں کناروں کے درمیان اعتدال پر مبنی ہے، دونوں گمراہیوں کے درمیان ہدایت پر مبنی ہے اور دونوں باطل کے درمیان حق پر مبنی ہے۔

آٹھواں شبہ: اولیاء اور صالحین کو پکارنا جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام و مرتبہ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان بھی کر دیا ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ دعا عبادت ہے۔ جب اِس عبادت کو غیر اللہ کے لئے انجام دیا جائے گا تو وہ شرک اکبر ہو جائے گا، چاہے وہ جو بھی ہو جس کے لئے یہ عبادت انجام دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا " (اور یہ کہ مسجدیں اللہ کے لئے ہیں لہذا تم اللہ کے ساتھ کسی کو نہ پکارو) اس آیت میں "أحداً" نکرہ استعمال ہوا ہے جو عموم کا فائدہ دیتا ہے۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ یہ لوگ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں اولیاء کے رفعت شان اور بلند مرتبہ کا تذکرہ ہے اور ان کی کرامتوں کا بیان ہے۔ یہ لوگ اس سے ان اولیاء سے دعا مانگنے، انہیں پکارنے اور ان سے فریاد کرنے پر استدلال کرتے ہیں۔

اس کے جواب میں ہم کہیں گے: تم نے جس آیت سے استدلال کیا ہے وہ حق ہے لیکن اس آیت سے تم نے جس بات کو ثابت کرنے کے لئے استدلال کیا ہے وہ باطل اور فساد پر مبنی ہے۔ ہم اولیاء سے محبت کرتے ہیں، ان کی محبت کو قربت الٰہی کا

ذریعہ سمجھتے ہیں اور ہم ان کی کرامات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس معاملہ میں ہم معتزلہ وغیرہ اہل بدعات کے برخلاف ہیں جو اولیاء کی کرامات کے منکر ہیں۔ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ صرف نبی کے لئے خلاف عادت بات کا ظہور ہو سکتا ہے۔

یہ ایک دوسری چیز ہے اور تم لوگ جو اولیاء کی عبادت کرتے ہو وہ دوسری چیز ہے۔

سعدی کہتے ہیں: صالحین کے معاملہ میں لوگ تین طرح کے ہیں:

۱۔ اہل جفا جو ان کے حقوق کو ہضم کر جاتے ہیں۔ محبت، موالات، توقیر و تعظیم وغیرہ ان کے حقوق ہیں جنہیں یہ لوگ ادا نہیں کرتے ہیں۔

۲۔ غلو کرنے والے لوگ۔ یہ لوگ انہیں اس مقام و مرتبہ سے اوپر اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے۔

۳۔ اہل حق۔ یہ ان سے محبت کرتے ہیں، ان سے دوستی رکھتے ہیں، ان کے حقیقی حقوق کو ادا کرتے ہیں لیکن ان کے بارے میں غلو نہیں کرتے اور ان کے معصوم ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے ہیں۔

جب آپ اس بات سے واقف ہو گئے کہ ہمارے زمانے کے مشرکین جسے اعتقاد کا نام دیتے ہیں یہ وہی شرک ہے جس کے بارے میں قرآن نازل ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ سے لوگوں سے جنگ کی تو آپ اسی کے ساتھ یہ بھی جان لیں کہ پہلے کے لوگوں کا شرک ہمارے زمانے کے لوگوں کے شرک سے دو وجوہات کی بنا پر ہلکا ہے:

پہلی وجہ تو یہ ہے کہ پہلے دور کے لوگ صرف خوشحالی میں فرشتوں یا اولیاء یا بتوں کو اللہ کے ساتھ پکارتے تھے۔ وہ لوگ مصیبت میں دین کو اللہ کے لئے خالص کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ "(پس یہ لوگ جب کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اس کے لئے عبادت کو خالص کرکے پھر جب وہ انہیں خشکی کی طرف بچالاتا ہے تو اسی وقت شرک کرنے لگتے ہیں۔)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَإِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَن تَدْعُونَ إِلَّا إِيَّاهُ "(اور سمندر میں مصیبت پہنچتے ہی جنہیں تم پکارتے ہو سب گم ہو جاتے ہیں صرف وہی اللہ باقی رہ جاتا ہے۔) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ " (آپ کہئے کہ اپنا حال تو بتلاؤ کہ اگر تم پر اللہ کا کوئی عذاب آپڑے یا تم پر قیامت ہی آپہنچے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکاروگے۔ اگر تم سچے ہو بلکہ خاص اُسی کو پکاروگے پھر جس کے لئے تم پکاروگے اگر وہ چاہے تو اس کو ہٹا بھی دے اور جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ان سب کو بھول بھال جاؤ گے۔)

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے:" وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ "(اور انسان کو جب کبھی کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ خوب رجوع ہو کر اپنے رب کو پکارتا ہے پھر جب اللہ تعالیٰ اُسے اپنے پاس سے نعمت عطا فرمادیتا ہے تو وہ اس سے پہلے جو دعا کرتا تھا اسے (بالکل) بھول جاتا ہے)۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:" وَإِذَا غَشِيَهُم مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ "(اور جب ان پر موجین سائبانوں کی طرح چھاجاتی ہیں تو وہ (نہایت) خلوص کے ساتھ اعتقاد کرکے اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔)

جس نے اس مسئلہ کو سمجھ لیا جس کی وضاحت اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جن مشرکوں سے اللہ کے رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جنگ کی تھی وہ اللہ تعالیٰ کو اور غیر اللہ کو خوشحالی میں پکارتے تھے لیکن سختی اور مصیبت کے وقت وہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے اور اپنے آقاؤں کو بھول جاتے تھے۔ اُسے ہمارے زمانہ کے لوگوں کے شرک اور پہلے دور کے لوگوں کے شرک کے درمیان فرق سمجھ میں آجائے گا۔

لیکن بہت کم لوگوں کے دلوں نے اس مسئلہ کو صحیح طور پر سمجھا ہے۔ واللہ المستعان۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ پہلے دور کے لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسے لوگوں کو پکارتے تھے جنہیں اللہ کا تقرب حاصل تھا یعنی کسی نبی یا کسی ولی یا فرشتے کو پکارتے تھے یا ایسے پتھروں یا درختوں سے دعا مانگتے تھے جو اللہ کے مطیع و فرماں بردار تھے۔ اللہ کے نافرمان نہیں تھے اور ہمارے زمانہ کے لوگوں کا حال یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو پکارتے ہیں جو سب سے زیادہ فاسق اور گنہگار ہیں۔ یہ لوگ انہیں پکارتے بھی

ہیں اور ان کے فسق و فجور کو بیان بھی کرتے ہیں یہ لوگ چوری، زنا اور ترک صلاۃ وغیرہ گناہوں میں ملوث ہیں۔

جو شخص نیک میں اعتقاد رکھتا ہے جس سے نافرمانی کا صدور نہیں ہوتا مثلاً لکڑی اور پتھر وغیرہ وہ بہر حال اس کے مقابلہ میں کم سنگین ہے جو ایسے شخص میں اعتقاد رکھتا ہے جس کا گناہ و فساد جگ ظاہر ہے اور جس کے گنہگار ہونے کی گواہی دی جاتی ہے۔

اس اقتباس کا خلاصہ: اس متن کے تحت یہ بیان کیا گیا ہے کہ بعد کے لوگوں کا شرک پہلے کے لوگوں کے شرک سے دو وجوہات کی بنا پر بڑا اور سنگین ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے توحید کا دعویٰ کرنے والے اِن مشرکین کی گمراہی کو واضح دلائل کے ذریعہ ثابت کرنے کے بعد اور یہ بتانے کے بعد کہ ان کا عمل بعینہ وہی ہے جو کفار قریش کا عمل تھا جن سے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جنگ کی تھی، آگے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ یہ بعد کے مشرکین کا شرک ان لوگوں کے شرک سے دو وجوہات کی بناء پر زیادہ سنگین ہے جن سے نبی کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے جنگ کی تھی۔ وہ دو وجوہات یہ ہیں:

ا۔ پہلے دور کے مشرکین صرف خوشحالی میں غیر اللہ کی پناہ طلب کرتے تھے اور بعد کے دور کے مشرکین خوشحالی و مصیبت دونوں حالتوں میں غیر اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔

کچھ اہل علم نے لکھا ہے کہ اولین دور کے مشرکین صرف خوشحالی میں صالحین کی پناہ طلب کرتے تھے، وہ مصیبت کے وقت ان کی پناہ طلب نہیں کرتے تھے اس کا سبب ان کا یہ اعتقاد تھا کہ نیک لوگ مصیبت سے بچانے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں، یہ صرف واسطہ ہیں۔ سختی و مصیبت کا وقت ایک مشکل اور تنگی کا وقت ہوتا ہے جس میں واسطوں سے پناہ طلب نہیں کی جا سکتی ہے لہذا وہ سختی کے وقت بلا واسطہ اللہ کی پناہ حاصل کرتے تھے۔ اس لئے کہ وہ مصیبت سے نجات دینے پر قادر ہے۔ ان کے برخلاف بعد کے مشرکین خوشحالی و مصیبت دونوں حالتوں میں صالحین کی پناہ طلب کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ صالحین کو مصیبت سے نجات دینے کی قدرت ہے، یہ صالحین صرف واسطہ نہیں ہیں۔ یہ ایک تیسری وجہ ہے جس کی بناء پر بعد

کے دور کے یہ مشرکین شرک کے معاملہ میں پہلے دور کے مشرکین سے آگے ہیں۔[1] مصنف رحمہ اللہ نے اسے نہیں ذکر کیا ہے۔

۲۔ پہلے دور کے مشرکین نیک اعمال انجام دینے والے اللہ کے مقرب بندوں کی پناہ لیتے تھے یا درختوں اور پتھروں کی پناہ لیتے تھے جو اللہ کے مطیع و فرماں بردار ہیں۔ بعد کے مشرکین کا حال یہ ہے کہ یہ مقرب بندوں کی پناہ بھی حاصل کرتے ہیں اور اصحاب فسق و فجور کی پناہ بھی حاصل کرتے ہیں۔[2]

اس کا سبب یہ ہے کہ پہلے دور کے مشرکین خاص طور پر اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کی پناہ حاصل کرتے تھے، اس کا سبب ان کا یہ اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ کی قربت ایک عظیم مرتبہ ہے جس کی وجہ سے صاحب مرتبہ کو یہ استحقاق حاصل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اُسے شفاعت کا مالک بنا دے پھر وہ جس کے لئے چاہے شفاعت کر سکتا ہے۔ اسی لئے یہ لوگ ان کی پناہ حاصل کرتے ہیں اور ان کی شفاعت کی امید رکھتے ہیں۔ بعد کے مشرکین اِن نیک بندوں کی پناہ بھی حاصل کرتے ہیں اور اصحاب فسق و فجور کی پناہ بھی حاصل کرتے ہیں کیونکہ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے مقرب بندوں کے بھی مختلف درجات ہیں۔ ان میں سے کچھ وہ ہیں

---

(۱) اس کی ایک مثال وہ ہے جسے کتاب "مناقب الجیلانی" کے مصنف نے بروایت رفاعی نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا: غوث اعظم کے ایک خادم کا انتقال ہو گیا تو اس کی بیوی غوث اعظم کے پاس آکر رونے گڑگڑانے لگی، اس نے غوث اعظم سے التجاء کی کہ اس کے شوہر کو دوبارہ زندگی دے دیں۔ غوث اعظم نے مراقبہ کیا اور اس عورت کے شوہر کی روح کو واپس لے آئے۔ اس کے لئے انہوں نے موت کے فرشتہ پر اپنی بالادستی کو استعمال کیا۔

ان میں سے کچھ لوگ ولی کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں: اے لڑکے کے خالق! جو اسے پاک وصاف حالت میں پیدا کرتے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ فلاں ولی مردوں کو زندہ کرتے ہیں۔ فلاں ولی زندہ ہیں انہیں موت نہیں آتی ہے۔

شیخ عبد اللطیف بن عبد الرحمن بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے شیخ خلیل رشیدی نے جامعہ ازہر میں بیان کیا کہ یہاں کے کچھ خاص مدرسین کہتے ہیں کہ قاہرہ میں کوئی کیل بھی سید احمد بدوی کی اجازت سے نصب کی جاتی ہے۔ میں نے کہنے والے سے کہا: یہ صفت تو اللہ تعالیٰ کی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سید احمد بدوی کی محبت میں ہم ایسا کہتے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگوں کا بیان ہے کہ بادیہ نشیں لوگوں کا ایک قبیلہ ایسا ہے کہ وہ لوگ اپنے چوپائے کو چراگاہ بھیجتے ہوئے کہتے ہیں: اے فلاں! تیرے حفظ و امان میں، اس سے مراد ہوتا ہے جو ان کی زیارت گاہ میں مدفون ہے۔

(۲) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: ان میں سے کچھ لوگ ایسے لوگوں کو پکارتے ہیں جو تمام لوگوں سے بڑے کافر ہیں بلکہ کچھ تو یہود و نصاریٰ سے بھی بڑے کافر ہیں۔ مثلاً وہ لوگ جو وحدۃ الوجود کا عقیدہ رکھنے والوں کے امام ابن عربی کو پکارتے ہیں۔ شام میں اس کی قبر پر ایک گنبد بنا ہوا ہے۔

یہ بات معلوم ہے کہ صالحین کے ذریعہ فتنہ غیر صالحین کے ذریعہ فتنہ سے زیادہ عام ہے۔

جو مکلفین کے زمرہ سے نکل جاتے ہیں، ان سے ظاہری احکام کی پابندی ساقط ہو جاتی ہے۔ ان کے لئے نہ کوئی کام واجب رہتا ہے، نہ ان پر کوئی چیز حرام ہوتی ہے۔ یہ لوگ ان کی نگاہ میں بظاہر فاسق و فاجر ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مقرب ولی ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی میں بظاہر جو فسق و فجور نظر آتا ہے وہ اس وجہ سے کہ احکام کی پابندی ان سے ساقط ہو چکی ہے۔

اس مسئلہ پر کلام گزر چکا ہے اور "القواعد الأربعة" کی شرح میں شیخ رحمہ اللہ کے کلام کی وضاحت کی جاچکی ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ جن سے اللہ کے رسول ﷺ نے جنگ کی تھی وہ بعد کے مشرکین کے مقابلہ میں عقل کے اعتبار سے زیادہ صحیح اور شرک کے معاملہ بھی ان سے ہلکے تھے تو اس کے بعد یہ لوگ ہماری باتوں کے تعلق سے ایک اور شبہ لاتے ہیں۔ یہ ان کے پیش کردہ شبہات میں سب سے زیادہ خطرناک ہے لہذا اس کے جواب کو توجہ کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے۔

وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلے دور کے کفار و مشرکین جن کے بارے میں قرآن نازل ہوا تھا، اس بات کی گواہی نہیں دیتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرتے تھے، وہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے، وہ قرآن مجید کی تکذیب کرتے تھے اور اُسے جادو کا نام دیتے تھے۔ ہم تو یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، ہم قرآن کی تصدیق کرتے ہیں، ہم مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے پر ایمان رکھتے ہیں، ہم نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں، پھر آپ لوگ کیسے ہمیں پہلے دور کے مشرکین کی طرح سمجھتے ہیں؟!

نواں شبہ: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جس نے توحید و رسالت کی گواہی دی، اپنے کو مسلمان کہا، اسلام کے اہم ارکان نماز و روزہ وغیرہ کی پابندی کی، اُسے کافر کہنا اور اس سے جنگ کرنا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے کہا جائے گا کہ یہ بات صحیح ہے کہ شریعت نے مسلمان کی تکفیر سے منع کیا ہے۔ اس تعلق سے بہت سے نصوص وارد ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر حملہ کرنا حرام ہے لیکن کچھ دوسرے نصوص سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مسلمان شریعت کے تقاضے کے برخلاف عمل کرتا ہے اور شرعی احکام کے منافی کام

کرتا ہے تو وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ پھر وہ قتل کا مستحق بن جاتا ہے۔ اس کے بہت سے شرعی دلائل موجود ہیں۔(مصنف رحمہ اللہ ان دلائل کو بیان بھی کریں گے۔)اس پر علماء کا اجماع ہے۔[۱]

یہ سب سے بڑا شبہ ہے جو توحید کی اس مبارک دعوت کے خلاف پیدا کیا گیا۔ اس مبارک دعوت کے حاملین پر یہ تہمت لگائی کہ یہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے والے مسلمانوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ اسی لئے شیخ رحمہ اللہ نے اس شبہ کا مفصل جواب دیا ہے اور اپنے دس جوابات کے ذریعہ اس شبہ کو باطل قرار دیا ہے۔

شیخ محمد بن مانع کہتے ہیں: مشرکین کا یہ شبہ تلبیس و تدلیس کے اعتبار سے بہت طاقتور ہے۔ جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دی ہو اور نماز و روزہ جیسی عبادات کو انجام دیتا ہو جاہل کی نگاہ میں اس پر کفر کا اطلاق بہت بڑی بات ہے۔ اس جاہل کو یہ معلوم نہیں ہے کہ مشرک نے اپنے شرک کی وجہ سے اور غیر اللہ کو پکارنے کی وجہ سے اپنے کلمہ اور روزہ و نماز کو ضائع کر دیا۔ شرک کے ساتھ یہ عبادتیں اُسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گی، اس لئے کہ جس کا عقیدہ توحید خالص پر نہ ہو اس نے اللہ کی عبادت ہی نہیں کی۔ اسی وجہ سے شیخ رحمہ اللہ کا یہ جواب بہت اہم اور نفع بخش ہے۔

یہاں اس حقیقت سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کی دعوت کے مخالفین کئی طرح کے لوگ ہیں:

۱۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو غیر اللہ کی عبادت کرنے سے متعلق شرک کے مسئلہ میں شیخ رحمہ اللہ کی مخالفت کرتے ہیں۔ ان لوگوں کے بقول: یہ مشروع وسیلہ کے قبیل سے ہے اور شفاعت طلب کرنے کے قبیل سے ہے۔ شیخ کے سابقہ جوابات میں یہی لوگ مخاطب ہیں۔

۲۔ کچھ وہ لوگ ہیں جو ان مشرکین کے بعض کاموں کو شرک اصغر کے خانہ میں رکھتے ہیں۔[۲]

---

(۱) دیکھئے کلمہ لا الہ الا اللہ کے بارے میں شیخ عبد العزیز بن باز رحمہ اللہ کا محاضرہ۔ بحوالہ مجموع الفتاویٰ للشیخ ابن باز، جمع کردہ: شیخ عبد اللہ طیار(۱/۱۹۵)

(۲) مثلاً سلیمان بن عبد الوہاب وغیرہ۔ ابن عفالق کہتے ہیں: امت کا اس پر اجماع ہے کہ غیر اللہ کے لئے جانور ذبح کرنا اور نذر ماننا حرام ہے۔ ایسا کرنے والا اللہ اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔ ان کی تکفیر سے علماء کو جس چیز نے روکا ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے اس اعتقاد کے ساتھ ان کاموں کو نہیں کیا کہ یہ غیر اللہ کے برابر اور اس کے ہمسر ہیں۔

۳۔ ایک تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو اس معاملہ میں شیخ رحمہ اللہ کے موافق وہم خیال ہیں کہ ان مشرکین کے اعمال شرک اکبر کے قبیل سے ہیں جس کی وجہ سے انسان ملت سے خارج ہو جاتا ہے لیکن ان کی وجہ سے ان کو کافر قرار دینے اور ان سے جنگ کرنے کے معاملہ میں وہ شیخ کے مخالف ہیں۔(۱) ان کا شبہ وہی ہے جسے مصنف رحمہ اللہ نے اوپر متن کے تحت ذکر کیا ہے۔ اِن مخالفین کا موقف یہ ہے کہ چونکہ یہ مشرکین اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، قرآن کی تصدیق کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتے ہیں، نماز، روزے اور حج وغیرہ عبادات کو انجام دیتے ہیں لہذا ان پر کفر کا حکم لگانا اور ان سے جنگ کرنا بڑی بات ہے۔ شیخ رحمہ اللہ یہاں ان ہی کے شبہ کا جواب دے رہے ہیں۔

شیخ رحمہ اللہ نے اپنی کتابوں میں مختلف مقامات پر یہ بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنی دعوت کے تعلق سے مسلم ممالک میں رہنے والے علماء سے خط و کتابت کی۔ ان علماء نے شیخ کے اس موقف کو صحیح قرار دیا کہ قبروں وغیرہ کے پاس جو کام کئے جاتے ہیں وہ شرک اکبر کے قبیل سے ہیں جن کی وجہ سے انسان ملت سے خارج ہو جاتا ہے لیکن ان علماء نے ایسے لوگوں کی تکفیر اور ان سے جنگ کرنے کے معاملہ میں شیخ کی مخالفت کی۔(۲)

شیخ رحمہ اللہ کہتے ہیں: جب میرے بارے میں یہ چار چیزیں توحید، شرک، تکفیر اور قتال مشہور ہوئیں تو مسلمانوں کے دیار میں جو خود کو علماء کہتے ہیں ان لوگوں نے توحید کے اثبات اور شرک کی نفی کے معاملہ میں میری تصدیق کی لیکن تکفیر و قتال کے معاملہ میں میری تردید کی۔

شیخ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: اس کی مثال یہ ہے کہ اہل احساء اور اہل بصرہ اس کی گواہی دیتے ہیں کہ توحید وہی ہے جو آپ بیان کرتے ہیں۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے اور مردوں و زندوں کے پاس جو کام کئے جاتے ہیں وہ اللہ کے ساتھ شرک ہے لیکن ان لوگوں نے بطور خاص تکفیر اور قتال کا انکار کیا اور اس معاملہ میں ہمارے موقف کو غلط قرار دیا۔

---

(۱) یہاں پر اس بات سے آگاہ رہنا ضروری ہے کہ شیخ رحمہ اللہ اِن کفریات میں ملوث ہونے والے ہر شخص کو نہ تو کافر کہتے ہیں نہ ان سے جنگ کرتے ہیں۔ وہ اس کو کافر کہتے ہیں جس کے خلاف حجت قائم ہو چکی ہے جیسا کہ شیخ رحمہ اللہ کے اقدامات سے ظاہر ہے۔
شیخ رحمہ اللہ اپنے ایک رسالہ میں کہتے ہیں، ہم عبد القادر کی قبر پر بنے ہوئے بت کی عبادت کرنے والے اور احمد بدوی کی قبر پر بنے ہوئے بت کی عبادت کرنے والے اور ان کے جیسے دیگر لوگوں کی تکفیر نہیں کرتے ہیں کیونکہ یہ لوگ اس عمل کے حکم سے ناواقف ہیں اور کسی نے ان کو آگاہ بھی نہیں کیا ہے۔

(۲) یہ شبہ علم کا دعویٰ کرنے والے بہت سے لوگوں کی جانب سے پیش کیا جاتا ہے۔ واللہ المستعان۔

شیخ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: جب کوئی کہے کہ توحید اچھی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کا دین برحق ہے سوائے تکفیر اور قتال کے۔

تو اس سے کہا جائے گا: توحید پر عمل کرو، رسول کے لائے ہوئے دین پر عمل کرو۔ تکفیر اور قتال کا حکم اٹھ جائے گا۔ اگر کسی کے خیال میں توحید کا حق یہ ہے کہ اس کا اقرار کیا جائے لیکن توحید کے احکام سے اعراض کیا جائے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر توحید کے احکام سے بغض اور دشمنی رکھی جائے تو اللہ کی قسم یہ صریح کفر ہے۔ اگر اسے سمجھنا کسی کے لئے مشکل ہو تو وہ محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام کی سیرت کا مطالعہ کرے۔ سلامتی دوبارہ آپ کا مقدر بنے جیسا کہ شروع میں مقدر بنی تھی اور اللہ کی رحمت و برکتیں بھی ہوں۔

شیخ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: لیکن یہ لوگ آج تم سے ایک شبہ کے ذریعہ بحث کریں گے۔ اس شبہ کے جواب کو توجہ سے سنو۔ وہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ سب حق ہے۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ اللہ کا دین ہے اور یہ اللہ کے رسول کا لایا ہوا دین ہے سوائے تکفیر اور قتال کے۔ تعجب اس پر ہے جس پر اس شبہ کا جواب مخفی ہے! جب ان لوگوں نے یہ تسلیم کر لیا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے تو پھر اس کی تکفیر کیسے نہیں کی جائے جس نے اس دین کا انکار کیا، اس دین کی دعوت دینے والے کو قتل کیا، اس دین کا حکم دینے والے کو قید کیا۔ جس نے اس دین کے داعیوں کو قید میں رکھنے کا حکم دیا اس کی تکفیر کیسے نہیں کی جائے گی؟! اس کی تکفیر کیسے نہیں کی جائے گی جو مشرکین کے پاس جا کر شرک کو لازم پکڑنے اور دوسروں کے سامنے اسے اچھا بنا کر پیش کرنے کی ترغیب دیتا ہے؟!

جو موحدین کو قتل کرنے اور ان کے اموال کو لینے کے لئے لوگوں کو بھڑکاتا ہے۔ اس کی تکفیر کیسے نہیں کی جائے گی جو یہ گواہی دیتا ہے کہ وہ جس بات کی دوسروں کو ترغیب دے رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس پر نکیر کی ہے اور اس سے منع فرمایا ہے؟! اور اسے شرک کا نام دیا ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ جس عمل کو وہ ناپسند کرتا ہے اور جس عمل کو کرنے والے سے وہ بغض رکھتا ہے اور مشرکین کو انہیں قتل کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یہی دراصل اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے!

آپ لوگ یہ جان لیں کہ نیک مسلمان جب اللہ کے ساتھ شرک کر بیٹھے یا وہ موحدین کے خلاف مشرکین کا ساتھ دے، اگرچہ وہ خود شرک نہ کرے اللہ اور اس کے رسول کے کلام میں اس کی تکفیر کے اتنے دلائل موجود ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ مزید کہتے ہیں: ہم دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ بیس سال سے زائد عرصہ تک دن رات علانیہ اور پوشیدہ طور پر یہ اقرار کرتے رہے کہ توحید وہی ہے جو اس شخص نے بیان کیا ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے لیکن لوگ

ہماری بات نہیں مانیں گے جو اس شخص نے بیان کیا ہے۔ یہی اللہ اور اس کے رسول کا دین ہے لیکن لوگ ہماری بات نہیں مانیں گے اور اس شخص نے جس چیز کا انکار کیا ہے وہ شرک ہے اور وہ اپنے انکار میں سچا ہے لیکن جب وہ تکفیر اور قتال سے بچے تب وہ حق پر ہے۔ یہ باتیں ان لوگوں نے علانیہ طور پر بھرے مجمع میں کہی ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ وہ توحید سے عداوت بھی رکھتے ہیں اور توحید کی طرف مائل لوگوں کو دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ عداوت ڈھکی چھپی نہیں ہے، اگرچہ تکفیر اور قتال نہ کیا جائے تب بھی وہ توحید اور موحدین سے ان کی عداوت سامنے آتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ علماء کا اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ اگر کسی شخص نے رسول اللہ ﷺ کی کچھ باتوں کی تصدیق کی اور کچھ باتوں کی تکذیب کی تو وہ کافر ہے۔ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

اسی طرح کوئی شخص جب قرآن کے کچھ حصہ پر ایمان لائے اور کچھ حصے کا انکار کرے، مثلاً توحید کا اقرار کرے اور نماز کے وجوب کا انکار کرے یا توحید و نماز کا اقرار کرے اور زکاۃ کے وجوب کا انکار کرے یا ان سب کا اقرار کرے اور روزہ کے وجوب کا انکار کرے یا ان سب کا اقرار کرے اور حج کے وجوب کا انکارے تو وہ اجماعی طور پر کافر ہوگا۔

جب نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں کچھ لوگ حج کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: " وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ "[1] (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پاسکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تعالیٰ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔)

جس نے ان تمام احکام کا اقرار کیا اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا تو وہ اجماعی طور پر کافر ہوگا۔ اس کی جان و مال حلال ہو جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ "(جو لوگ اللہ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں)

---

(۱) ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ عکرمہ سے نقل کیا ہے کہ جب آیت کریمہ "ولله على الناس حج البيت من استطاع اليه سبيلا" نازل ہوئی تو یہود و نصاری نے کہا کہ ہم حج نہیں کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی "و من كفر فان الله غني عن العالمين" اس اثر میں کلام ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں یہ صراحت کر دی ہے کہ جس نے کچھ باتوں پر ایمان رکھا اور کچھ باتوں کا انکار کیا وہ اصلی کافر ہے، تو اس کے بعد یہ شبہ ختم ہو گیا جس کے بارے میں بات کی جارہی ہے۔ اہل احساء نے اسی شبہ کا تذکرہ اپنے اس مکتوب میں کیا تھا جسے ان لوگوں نے مجھے ارسال بھی کیا تھا۔

اس سے یہ بھی کہا جائے گا کہ جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی کچھ باتوں میں تصدیق کی اور نماز کے وجوب کا انکار کیا تو وہ اجماعی طور پر کافر ہے اور اس کی جان ومال حلال ہے۔ یہی حکم اس کا بھی ہے جب کوئی ہر بات کو تسلیم کرے اور مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرے اور یہی حکم اس کا بھی ہے جب کوئی شخص رمضان کے روزے کی فرضیت کا انکار کرے اور اس کے بارے میں کذب بیانی کرے کہ وہ اس کا منکر نہیں ہے۔ اس حکم کے بارے میں مسالک کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ خود قرآن نے اس کی صراحت کر دی ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ عقیدۂ توحید سب سے بڑا فریضہ ہے جسے نبی کریم ﷺ لے کر آئے۔ یہ نماز، روزے اور حج سے بھی بڑا فریضہ ہے۔ جب کوئی شخص ان میں سے کسی فریضہ کا انکار کرتا ہے تو وہ کافر ہو جاتا ہے، اگرچہ وہ رسول اللہ ﷺ کی دیگر ساری تعلیمات پر عمل کرے تو وہ شخص جو توحید کا منکر ہو جائے جو سارے رسولوں کا دین ہے تو کیا وہ کافر نہیں ہو گا؟! سبحان اللہ یہ تو عجیب قسم کی جہالت ہے۔

پہلا جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علماء کا اس پر اجماع ہے کہ جو شخص نبی ﷺ کے لائے ہوئے کچھ احکام پر عمل کرے اور کچھ کا انکار کرے تو وہ کافر ہے، اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔ ابن عبد البر، ابن منذر، ابن حزم اور ابن تیمیہ نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس کی چند مثالیں ذکر کی ہیں۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جس نے نبی ﷺ کے لائے ہوئے احکام میں سے کچھ کا انکار کیا وہ کافر ہے، اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔ شبہ پیدا کرنے والے اس بات کو مانتے ہیں کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اور نماز کے وجوب کا انکار کیا یا روزہ کے وجوب کا انکار کیا یا قرآن کی ایک آیت کا انکار کیا یا مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا تو وہ کافر ہے تو پھر جس نے توحید ہی کا انکار کیا وہ کیسے کافر نہیں ہو گا؟[1]

(۱) یہاں ان لوگوں سے خطاب ہے جو یہ مانتے ہیں کہ جس نے غیر اللہ کی عبادت کی وہ کافر ہے۔

ان شبہ پیدا کرنے والوں سے یہ بھی کہا جائے گا کہ رسول ﷺ کے اصحاب نے قبیلہ بنی حنیفہ سے جنگ کی حالانکہ اس قبیلہ کے لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے تھے اور دائرہ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ وہ توحید ورسالت کی گواہی دیتے تھے، نماز پڑھتے تھے، اذان دیتے تھے۔

اگر وہ اس کے جواب میں کہے کہ بنی حنیفہ کے لوگوں نے مسیلمہ کو نبی مان لیا تھا۔ اس لئے صحابہ کرام نے ان سے جنگ کی تھی۔

ہم کہیں گے: یہی جواب مطلوب تھا۔ جب کسی نے کسی کو نبی ﷺ کے رتبہ تک پہنچا دیا تو وہ کافر ہو گیا، اس کی جان و مال حلال ہو گئے، اسے توحید ورسالت کی گواہی دینے اور نماز پڑھنے کا کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تو پھر جس نے شمسان کو یا یوسف[1] کو یا کسی صحابی کو یا کسی نبی کو آسمانوں اور زمین کے جبار کے مرتبہ تک پہنچا دیا اُس کا کیا حکم ہو گا؟!

---

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: یوسف، شمسان اور تاج کافر طاغوتوں کے نام ہیں۔ تاج خرج کے علاقہ کا رہنے والا تھا، اس کے لئے نذریں پیش کی جاتی تھیں اور اسے مدد کے لئے پکارا جاتا تھا، اس کے نفع ونقصان کا مالک ہونے کا اعتقاد رکھا جاتا تھا۔ وہ نذریں حاصل کرنے کے لئے خرج کے علاقہ سے درعیہ والوں کے پاس آتا تھا۔ اس میں اعتقاد رکھنے والے بہت سے لوگ اس سے ڈرتے تھے۔ اس کے اعوان وانصار اور حاشیہ بردار تھے اسی لئے کوئی برے ارادے سے ان لوگوں کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا بھی نہیں تھا۔ ان لوگوں کے بارے میں جھوٹے دعوئے کئے جاتے تھے، ان کی طرف برے قصے منسوب کئے جاتے تھے۔ تاج کے دربار میں یہ کہا جاتا تھا کہ وہ اندھا ہونے کے باوجود اپنے شہر خرج سے کسی کی رہنمائی کے بغیر چلا آتا تھا۔

جہاں تک شمسان کا تعلق ہے تو شیخ رحمہ اللہ کے رسائل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عارض کے علاقہ سے دور نہیں تھا۔ اس کی چند اولاد تھی جن کے بارے میں لوگ اعتقاد رکھتے تھے۔

یوسف کا معاملہ یہ تھا کہ اس کی قبر پر پوجا پاٹ کا علامتی نشان بن گیا تھا جس کے بارے میں اعتقاد رکھا جاتا تھا یا تو اس کی قبر کویت میں تھی یا احساء میں تھی جیسا کہ شیخ کے کچھ رسائل سے معلوم ہوتا ہے۔

ان سب کے موجود ہونے کا زمانہ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے زمانے سے قریب ہے۔ شیخ نے اپنے بہت سے رسائل میں ان کا تذکرہ کیا ہے، یہ سب بہت مشہور طاغوت تھے جن میں اہل نجد اعتقاد رکھتے تھے۔ لوگ ان کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ کی ذات پاک وبے عیب ہے اور اس کی شان بہت عظیم ہے:"وكذلك يطبع الله على قلوب الذين لا يعلمون" (اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے دلوں پر جو سمجھ نہیں رکھتے یوں ہی مہر کر دیتا ہے)

دوسرا جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے قبیلہ بنوحنیفہ جو مسیلمہ کذاب کے متبعین میں سے تھے اور ارتداد کے معاملہ میں سب سے زیادہ مشہور بھی ہوئے، کلمہ توحید لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے، اذان دیتے تھے، نماز پڑھتے تھے۔ اس کے باوجود صحابہ کرام نے ان کو کافر قرار دیا اور ان سے جنگ کی۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی مقرر کردہ مکمل شریعت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اگر شبہ پیدا کرنے والے یہ کہیں کہ بنوحنیفہ کے لوگ اس وجہ سے کافر قرار پائے کیونکہ ان لوگوں نے مسیلمہ کو نبی مان لیا تھا۔

ہم ان سے کہیں گے وہ لوگ مسیلمہ کو نبی ماننے کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے جبکہ ان لوگوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہا تھا اور نماز پڑھی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کلمہ توحید اور نماز کے باوجود وہ لوگ کافر ہو گئے تھے اور کلمہ و نماز کا انہیں کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا تھا لہذا تم لوگوں کا قول باطل ہو گیا۔

پھر ہم اس سے یہ بھی کہیں گے: جب یہ لوگ مسیلمہ کو نبی ماننے اور اسے نبوت کے مرتبہ تک پہنچانے کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہو گا جو کسی شخص کو الوہیت یا ربوبیت کے مرتبہ تک پہنچا دے؟!

=ولایت کے قائل تھے، عبادت کے قبیل کی کچھ چیزیں ان کے لئے انجام دیتے تھے، ان کے لئے نذریں مانتے تھے اور ان سے اسی طرح امیدیں وابستہ کرتے تھے جس طرح کی امیدیں لات وعزی کے پرستار ان باطل معبودوں سے رکھتے تھے۔

شبہ پیدا کرنے والوں سے یہ بھی کہا جائے گا: علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جن لوگوں کو آگ میں جلادیا تھاوہ سب بھی اسلام کے دعوے دار تھے۔ وہ سب علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، ان لوگوں نے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا لیکن ان لوگوں نے علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اُسی طرح کا اعتقاد رکھ لیا تھا جیسا کہ اعتقاد لوگوں نے یوسف اور شمسان وغیرہ کے بارے میں رکھا تو صحابہ کرام نے کیسے ان کی تکفیر کی اور ان کو قتل کرنے پر اتفاق کیا؟!

کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ صحابہ کرام مسلمانوں کی تکفیر کرتے تھے؟!

یا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ تاج اور ان جیسوں میں اعتقاد رکھنا نقصان دہ نہیں ہے اور علی رضی اللہ عنہ میں اعتقاد رکھنا کفر کا باعث ہے؟!

تیسرا جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو اس وجہ سے نذر آتش کر دیا تھا کہ ان لوگوں نے اسلام کے منافی عقائد کو اختیار کر لیا تھا جبکہ وہ لوگ کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ تب بھی صحابہ کرام نے ان کے کافر ہونے اور انہیں قتل کر دینے پر اتفاق کیا۔ کچھ صحابہ نے ان کو قتل کئے جانے کے طریقہ سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ صحیح بخاری میں منقول ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان لوگوں کو آگ میں جلادینے کا حکم دیا۔ اس کے بارے میں جب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا: اگر میں ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کی اس ممانعت کی وجہ سے ان لوگوں کو آگ میں نہیں جلواتا، ”تم لوگ اللہ کے عذاب جیسی سزا نہ دو۔ میں ان لوگوں کو قتل کرنے کی سزا دیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”جس نے اپنا دین بدل دیا اسے قتل کر دو۔“

اہل علم کا ان لوگوں کی شناخت کے بارے میں اختلاف ہے جنہیں علی رضی اللہ عنہ نے آگ میں جلانے کا حکم دیا تھا۔ مشہور یہ ہے کہ ان لوگوں کا تعلق سبائی فرقہ سے تھا۔ اسی وجہ سے شیخ رحمہ اللہ کا یہ قول محل نظر ہے کہ ”وہ لوگ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، انہوں نے صحابہ کرام سے علم حاصل کیا تھا۔“ واللہ اعلم

یہ بھی کہا جائے گا کہ بنو عبید قداح جن کی مغرب (مراکش وغیرہ) اور مصر پر بنو عباس کے عہد میں حکومت قائم ہو گئی تھی، توحید و رسالت کی گواہی دیتے تھے، مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے، جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور باجماعت نمازیں ادا کرتے تھے۔ جب ان سے کچھ چیزوں میں خلاف شرع باتوں کا ظہور ہوا۔ وہ خلاف شرع امور اس سے الگ تھے جن کا ہم یہاں ذکر کر رہے ہیں۔ تو علماء کا ان کے کافر ہونے، ان سے جنگ کرنے اور ان کے ملک کو دارالحرب قرار دینے پر اجماع ہوا۔ مسلمانوں نے ان کے خلاف فوج کشی کی یہاں تک مسلمانوں کی سرزمین کو ان کے قبضہ سے آزاد کرالیا۔

چوتھا جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو عبید جو کذب بیانی سے اپنے کو فاطمی کہتے تھے، کلمہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیتے تھے، مسلمان ہونے کے دعوے دار تھے، جمعہ کی نماز قائم کرتے تھے اور باجماعت نمازیں ادا کرتے تھے، اس کے باوجود بنو عباس کے زمانہ میں اور بعد کے دور میں ان کے کافر ہونے اور ان سے جنگ کرنے پر علماء کا اجماع ہوا۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن کثیر وغیرہ نے اس معاملہ میں علماء کا اجماع نقل کیا ہے۔

شیخ عبدالرحمٰن براک کہتے ہیں: شیخ رحمہ اللہ کا یہ قول محل نظر ہے کہ بنو عبید توحید کے علاوہ امور میں غیر شرعی اعمال و عقائد کے حامل تھے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ بنو عبید کے لوگ ان عقائد واعمال پر کاربند نہیں تھے جن پر جاہل قبر پرست لوگ کاربند ہیں، اس لئے کہ یہ بنو عبید قداح غالی روافض ہونے کی وجہ سے ملحدین کی صف میں شامل تھے۔

شیخ عبدالعزیز بن محمد آل عبداللطیف حفظہ اللہ کہتے ہیں: مولف رحمہ اللہ نے بنو عبید کے بارے میں جو ذکر کیا ہے کہ وہ لوگ توحید و رسالت کی گواہی دیتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے تو شاید انہوں نے ان لوگوں کی ظاہری صورت حال کا اعتبار کر کے یہ بات کہی ہے لیکن حقیقت میں وہ یہود و نصاریٰ سے بڑے کافر تھے۔ توحید کی عمارت کو منہدم کرنے، دنیا کو قدیم کہنے، نبوتوں پر اعتراض کرنے، شریعتوں کو باطل قرار دینے اور محرمات کو حلال کر لینے سے بڑھ کر بھی کوئی کفر ہو سکتا ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مختصر سیرۃ الرسول ﷺ میں بنو عبید کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس سے اوپر ذکر کی گئی باتوں کی تائید ہوتی ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی اس کتاب میں تفصیل اور باریکی کے ساتھ بنو عبید کے احوال بیان کئے ہیں۔ وہ ان کے بارے میں کہتے ہیں: بنو عبید نے بظاہر شرعی احکام پر عمل کیا، جمعہ اور نماز باجماعت قائم کی، قاضیوں اور مفتیوں کی تقرری کی لیکن اسی کے ساتھ ان سے شرک اور خلاف شرع کاموں کا بھی ظہور ہوا۔ ان سے ایسے اعمال وعقائد کا ظہور ہوا جن

سے ان کے نفاق اور سنگین کفر کا پتہ چلتا تھا۔ تب علماء کا اس بات پر اجماع ہوا کہ بنو عبید کافر ہیں اور ان کا ملک دارالحرب ہے۔۔۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: مختصر یہ کہ جس باطنی علم کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں وہ اللہ، اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں اور آخرت کے انکار پر مشتمل ہے بلکہ ان کا باطنی علم ہر طرح کے کفر کا جامع ہے۔

عبد القاہر بغدادی کہتے ہیں: میرے نزدیک باطنیوں کے دین سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ دہریے اور زندیق ہیں۔ یہ لوگ عالم (دنیا) کے قدیم ہونے کے قائل ہیں۔ یہ لوگ رسولوں اور تمام شریعتوں کے منکر ہیں اس لئے کہ یہ لوگ ہر اس چیز کو جائز سمجھتے ہیں جس کی طرف طبیعت مائل ہوتی ہے۔

ابو حامد غزالی ان کے بارے میں کہتے ہیں: باطنیوں کے بارے میں منقول یہ ہے کہ وہ مطلق اباحت کے قائل ہیں۔ ممنوعات کو جائز و حلال سمجھتے ہیں اور شریعتوں کے منکر ہیں۔

یہ بات بھی کہی جائے گی کہ جب پہلے کے لوگوں کو اس وجہ سے کافر قرار دیا گیا کہ ان لوگوں نے شرک، رسول اور قرآن کی تکذیب اور مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار سب کو ایک ساتھ جمع کیا تھا۔ پھر تمام مسالک کے علماء نے "باب حکم المرتد" کے نام سے جو باب قائم کیا ہے اس کا کیا مطلب ہوگا؟ مرتد سے مراد وہ مسلمان ہے جو اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

اس کے بعد علماء نے بہت سی چیزیں ذکر کی ہیں جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور اس کی جان و مال حلال ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک علماء نے بہت سی ایسی باتوں کو بھی ارتداد کے اسباب کے تحت ذکر کیا ہے جنہیں انجام دینے والا معمولی سمجھتا ہے مثلاً ایسی بات جسے وہ زبان سے ادا کرتا ہے لیکن دل سے اسے قبول نہیں کرتا یا ایسی بات جسے ازراہ مذاق زبان پر لاتا ہے اور کھیل و تفریح وغیرہ۔[1]

پانچواں باب: کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر مسلک کے علماء نے فقہ کی کتابوں میں "باب حکم المرتد" کے عنوان سے باب قائم کیا ہے۔ یہ باب ان لوگوں کے لئے خاص ہے جو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کے بعد کوئی کفریہ عمل انجام دیتے ہیں۔

علماء نے ارتداد کے بہت سے اسباب و اعمال ذکر کئے ہیں۔ ان میں سے بہت سے اعمال ان باطنیوں کے اعمال و اعتقاد کے مقابلہ میں معمولی نوعیت کے ہیں لیکن وہ ارتداد کا سبب ہیں۔ پھر ان باطنیوں کے اعتقادات و اعمال کا کیا حکم ہوگا اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

---

(۱) اس کی دلیل ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "بندہ اپنی زبان سے کوئی بات کہتا ہے جس کے بارے میں غور و فکر نہیں کرتا، اس کی وجہ سے وہ جہنم میں مشرق و مغرب کے مابین دوری سے بھی زیادہ دور تک جا گرتا ہے"۔ (متفق علیہ) الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ کوئی شخص ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جس کے بارے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم میں ستر سال کی مسافت کے بقدر گر جاتا ہے۔ (سنن ترمذی)

ابن تیمیہ "الصارم المسلول" میں لکھتے ہیں: مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کا استہزاء کیا، چاہے کھیل، مذاق ہی میں کیوں نہ ہو، اس نے اللہ کے ساتھ کفر کیا اور مرتد ہو گیا۔

یہ بھی کہا جائے گا: وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا: " يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ "(یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہوگئے ہیں۔) کیا تم نے سنا نہیں کہ ایک کلمہ زبان سے نکالنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس آیت میں کافر کہا ہے جبکہ وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے، آپ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوتے تھے، آپ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، زکاۃ ادا کرتے تھے، حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتے تھے؟!

اسی طرح وہ لوگ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ "(کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول یہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہوگئے) اللہ تعالیٰ نے اِن لوگوں کے بارے میں بصراحت یہ بات کہی ہے کہ یہ ایمان لانے کے بعد کافر ہوگئے جبکہ یہ لوگ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک تھے۔ ان لوگوں نے کوئی بات کہی تھی پھر اس کی یہ صفائی دی تھی کہ انہوں نے ازراہ مذاق یہ بات کہی ہے۔

اس شبہ پر غور کیجئے کہ آپ لوگ مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں یعنی ایسے لوگوں پر کفر کا حکم لگاتے ہیں جو یہ گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے، وہ نماز پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں۔ پھر اِس شبہ کا جو جواب دیا گیا ہے اس پر غور کیجئے۔ یہ اِس رسالہ کی نہایت مفید باتوں میں سے ایک ہے۔

چھٹا جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کچھ لوگ جو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کے ساتھ تھے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے، وہ نماز پڑھتے تھے، زکاۃ دیتے تھے اور جہاد میں شریک ہوتے تھے اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انہیں کافر قرار دیا کیونکہ وہ کفر کو واجب کرنے والے امور کو انجام دیتے تھے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اس کی دو مثالیں ذکر کی ہیں:

پہلی مثال: جن کی زبان سے کفریہ بات نکلتی ہے۔ جب ان کا یہ معاملہ آشکارا ہو جاتا ہے تو وہ قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے یہ بات نہیں کہی ہے۔ یہ منافقین کی حالت ہے۔ صحیح قول کے مطابق یہی لوگ اس آیت کے مصداق ہیں: " يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ "(یہ اللہ کی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ انہوں نے نہیں کہا حالانکہ یقیناً کفر کا کلمہ ان کی زبان سے نکل چکا ہے اور یہ اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے ہیں۔)

سعدی کہتے ہیں: ان کے سابق اسلام نے اگرچہ ظاہری طور پر انہیں دائرۂ کفر سے باہر نکال دیا تھا لیکن ان کا آخری قول اسلام کے منافی تھا، اس نے انہیں دائرہ کفر میں داخل کر دیا۔[1]

دوسری مثال: جن لوگوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر صحابہ کرام کو تمسخر کا نشانہ بنایا تھا، اگرچہ یہ لوگ مجاہدین کے طور پر گھروں سے نکلے تھے، یہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے، نماز پڑھتے تھے، زکوٰۃ ادا کرتے تھے اور حج کرتے تھے اس کے باوجود اللہ نے اس

---

(۱) ابن الجوزی نے زاد المسیر میں اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں تین اقوال نقل کئے ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ایک مرتبہ منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے عیوب بیان کئے۔ اسے سن کر جُلاس بن سوید نے کہا: ہمارے بھائیوں کے بارے میں یہ جو بات کہہ رہے ہیں اگر وہ سچ ہے تو ہم گدھے سے بھی زیادہ برے ہیں۔ یہ سن کر عامر بن قیس نے کہا: اللہ کی قسم، اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے سچ فرمایا ہے اور تم لوگ گدھے سے زیادہ برے ہو۔ اللہ کے رسول صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو یہ بات بتائی گئی تو آپ جلاس کے پاس گئے، وہ کہنے لگا: میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ دونوں نے منبر رسول کے پاس قسمیں کھائیں۔ اسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو صالح نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے یہ تفسیر نقل کی ہے۔ حسن، مجاہد اور ابن سیرین نے بھی تقریباً اسی کے مثل تفسیر نقل کی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ منافق عبد اللہ بن ابی نے کہا تھا: اللہ کی قسم! اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو ہم میں جو باعزت ہے وہ ذلیل کو ضرور شہر بدر کر دے گا۔ ایک مسلمان نے اس کی یہ بات سن لی اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو خبر کر دی۔ آپ نے اُسے بلوایا تو وہ اللہ کی قسم کھانے لگا کہ اس نے یہ بات نہیں کہی ہے۔ اُسی موقع سے یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ بات قتادہ نے کہی ہے۔

تیسرا قول: منافقین تنہائی میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اور صحابہ کرام کو گالی دیتے تھے اور دین اسلام کے خلاف زبان درازی کرتے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی کچھ باتیں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سے بیان کیں تو منافقین قسمیں کھانے لگے کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ اسی واقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ ضحاک کا قول ہے۔

آیت میں انہیں کافر کہا ہے:" قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِئُونَ ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ "(کہہ دیجئے کہ اللہ اس کی آیتیں اور اس کا رسول یہی تمہارے ہنسی مذاق کے لئے رہ گئے ہیں؟ تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے) جب یہ لوگ اس وجہ سے کافر قرار پائے کہ کفریہ بات مذاقاً اپنی زبان سے نکالی تو پھر اس شخص کا کیا حکم ہو گا جس نے کفریہ بات صرف کہی نہیں بلکہ اس پر عمل بھی کیا؟! اور اس شخص کا کیا حکم ہو گا جس نے ازراہ مذاق ہی نہیں بلکہ سنجیدہ طور پر بھی کفریہ عمل کیا؟!

مسئلہ: اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ کفریہ بات زبان سے نکالنے سے پہلے ان لوگوں کی کیا حالت تھی۔ اس تعلق سے دو اقوال ہیں:

ا۔ کفریہ بات زبان سے نکالنے سے پہلے اصلاً وہ لوگ منافق تھے۔ جہاں تک میں واقف ہو سکا اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ ہمارے شیخ نے بھی اِسی کو اختیار کیا ہے۔ رہا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد" قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ "تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تو تم ظاہری طور پر کافر ہو گئے پہلے تم باطنی طور پر کافر تھے۔ اب تمہارا کفر لوگوں کے سامنے ظاہر ہو گیا۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ منافقین کی ایک جماعت نبی کریم ﷺ کے ساتھ غزوۂ تبوک میں شریک ہوئی تھی۔ یہ بات معلوم و محقق ہے۔

۲۔ یہ لوگ صحابہ کرام میں شامل تھے لیکن ان کا ایمان کمزور تھا۔ ان لوگوں نے وہ بات کہہ کر کفر کے ارتکاب کا ارادہ نہیں کیا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ حرام کام ہے۔ ابن تیمیہ نے اس قول کی تائید کی ہے۔ نیز اسے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور صاحب فتح المجید نے اختیار کیا ہے۔

یہ آیات اگرچہ صحیح قول کے مطابق منافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھیں لیکن ان سے اس جگہ استدلال کرنا صحیح ہے، اس لئے کہ یہاں یہ شبہ پیدا کیا گیا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا، نماز پڑھی اور روزے رکھے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ یہ صورت منافقین کی صورت حال میں بھی پائی جارہی ہے۔

اس کی دلیل وہ بھی ہے جسے اللہ عزوجل نے بنی اسرائیل کے بارے میں بیان کیا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے اسلام، علم اور صالحیت کے باوجود موسیٰ علیہ السلام سے کہا:" اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ " (ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے ایک معبود مقرر کر دیجئے) نیز صحابہ کرام میں سے کچھ لوگوں نے یہ کہا تھا کہ آپ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجئے تو رسول اللہ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تھا: یہ تو ویسی ہی بات ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے کہا تھا:" اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ " (ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود مقرر کر دیجئے۔)

ساتواں جواب: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے کچھ لوگوں نے ان سے کہا تھا:" اجْعَل لَّنَا إِلَٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ "(۱) (آپ ہمارے لئے بھی ایک معبود مقرر کر دیجئے جیسا کہ ان لوگوں کے معبود ہیں) اور خیر المرسلین محمد ﷺ کے کچھ صحابہ نے یہ کہا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک ذات انواط مقرر کر دیجئے جیسے کہ ان لوگوں کے ذات انواط ہیں تو نبی ﷺ نے صحابہ کی اس بات کو اصحاب موسیٰ کی بات کے مثل قرار دیا تھا۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ یہ کفریہ کلمہ ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان اگرچہ لا الہ الا اللہ کہے اور وہ صالحیت و ہدایت کے راستہ پر ہو وہ کسی کفریہ کلمہ یا کفریہ اعتقاد یا کفریہ عمل کی وجہ سے کافر ہو جاتا ہے۔

مسئلہ: جو بات بظاہر معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ صحابہ نے جو مطالبہ کیا تھا وہ شرک اصغر کے قبیل سے ہے۔(۲) اصحاب موسیٰ کی بات اور اصحاب نبی ﷺ کی بات کے درمیان وجہ تشبیہ یہ ہے کہ اصحاب موسیٰ نے جب سمندر پار کر لیا تو ان کا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جو اپنے بتوں کے پاس تعظیماً ٹھہرے ہوئے تھے تو ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ کیا کہ اس قوم کے معبودوں کی طرح ان کے لئے بھی ایک معبود مقرر کر دیں۔ یہ مطالبہ بلاشبہ شرک اکبر ہے، اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ دوسری طرف اصحاب نبی ﷺ جب مشرکین کے پاس سے گزرے جو حصول برکت کے لئے تعظیما ایک درخت کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے تو انہوں نے نبی ﷺ سے ایک درخت کا مطالبہ کر دیا جس سے وہ برکت حاصل کر سکیں۔ انہیں

---

(۱) شیخ رحمہ اللہ کا یہ قول کہ بنو اسرائیل کے لوگوں نے علم اور صالحیت کے باوجود یہ بات کہی، محل نظر ہے، اس لئے کہ یہ بات ان لوگوں نے دریا عبور کرنے کے بعد کہی تھی اور جس نے یہ بات کہی تھی اس کی حالت متعین طور پر معلوم نہیں ہے۔ واللہ اعلم

(۲) شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ نے کچھ جگہوں پر نصاً اس کی صراحت کی ہے جیسا کہ کتاب التوحید کے مسائل میں موجود ہے۔

یہ خیال نہیں ہوا کہ تبرک حاصل کرنا ممنوع ہے اس لئے کہ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، کچھ دن پہلے تک وہ حالت کفر و شرک ہی میں تھے۔ چنانچہ ان دونوں باتوں کے درمیان وجہ تشبیہ یا تو اصل حکم ہو گا یعنی ایک شرک اکبر ہے اور دوسرا شرک اصغر ہے۔ یا پھر وجہ تشبیہ حالت ہو گی یعنی اللہ نے بنی اسرائیل کی فرعون کے خلاف مدد کی تھی اور اس کے مکر و فریب سے نجات دی تھی اس کے بعد ان لوگوں نے باطل کا مطالبہ کیا اور ان لوگوں کی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے خلاف مدد کی تھی پھر اس کے بعد ان لوگوں نے باطل کا مطالبہ کیا۔ واللہ اعلم

یہ مطالبہ تمام صحابہ کرام نے نہیں کیا تھا بلکہ فتح مکہ کے بعد اسلام میں نئے داخل ہونے والے چند لوگوں نے کیا تھا، ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ نے اس کی صراحت کی ہے۔ وہ خود بھی فتح مکہ کے سال دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے۔

ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہم لوگ رسول ﷺ کے ساتھ حنین کے لئے نکلے۔ کچھ عرصہ پہلے ہی ہم نے حالت کفر سے توبہ کی تھی اور اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ مشرکین کا ایک بیری کا درخت تھا جہاں پر وہ تعظیماً ٹھہرتے تھے اور اس درخت سے اپنے اسلحے کو لٹکاتے تھے، اسے ذات انواط کہا جاتا تھا۔ ہم بیری کے ایک درخت کے پاس سے گزرے تو ہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مشرکین کے ذات انواط کی طرح آپ ہمارے لئے بھی ذات انواط مقرر کر دیجئے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر، یہ گزشتہ قوموں کے طریقے ہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم لوگوں نے وہی بات کہی ہے جیسا کہ بنو اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ان کے معبودوں کی طرح ہمارے لئے بھی ایک معبود مقرر کر دیجئے، تم لوگ بالکل نادان ہو۔ تم گزشتہ قوموں کے راستہ پر ضرور چلو گے۔ اسے امام احمد، ابو داود، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

مشرکین کا ایک اور شبہ ہے جسے وہ مذکورہ واقعہ کے ضمن میں پیش کرتے ہیں۔ وہ شبہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ موسیٰ علیہ السلام سے وہ مطالبہ کرنے کی وجہ سے کافر نہیں ہوئے تھے۔ اسی طرح جن لوگوں نے نبی ﷺ سے ذات انواط کے لئے درخواست کی تھی وہ بھی کافر نہیں ہوئے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگوں نے اس کفر پر عمل نہیں کیا تھا۔ اسی طرح نبی ﷺ سے ذات انواط کے لئے درخواست کرنے والوں نے اس کفر پر عمل نہیں کیا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کفر پر عمل کیا ہوتا تو وہ کافر ہو جاتے۔

اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جن لوگوں کو نبی ﷺ نے منع فرمایا تھا، اگر وہ آپ کی اطاعت نہ کرتے اور ممانعت کے بعد بھی ذات انواط بنا لیتے تو کافر ہو جاتے۔[1] یہی مطلوب بھی ہے۔

مشرکین کا پیدا کردہ ایک بڑا شبہ یہ تھا کہ جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہا اور نماز پڑھی اسے کافر نہیں کہا جا سکتا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے یہاں اس کے جوابات درج کرنے کے بعد مشرکین کے کچھ ایسے دلائل کو بھی ذکر کیا ہے جنہیں وہ مذکورہ شبہ کے ضمن میں پیش کرتے ہیں۔[2]

پہلی اور دوسری دلیل اور ان کے جوابات:

دونوں جوابات کا خلاصہ یہ ہے:

---

(۱) اگر موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے اپنے مطالبہ پر عمل کر لیا ہوتا تو کافر ہو جاتے، اس لئے کہ یہ بلا شبہ شرک اکبر ہے۔ نبی ﷺ کے صحابہ نے بھی جو درخواست کی تھی اگر اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے کافر ہو جاتے۔ اگرچہ اس میں بھی اشکال ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ صحابہ کا مطالبہ شرک اصغر کے قبیل سے تھا۔

(۲) مشرکین کا یہ استدلال اور اس پر شیخ کا جواب نویں شبہ کے جواب میں شامل ہے۔ یہ لوگ نویں شبہ کو ثابت کرنے والے ان دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔

۱۔ ان لوگوں نے اپنے مطالبہ پر عمل نہیں کیا، اگر عمل کرتے تو اپنے فعل کی وجہ سے کافر ہو جاتے کیونکہ انہیں اس فعل کا حکم معلوم ہو گیا تھا۔ شیخ نے یہاں پر یہ جواب دیا ہے۔[۱]

۲۔ ان لوگوں نے اس فعل کا حکم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مطالبہ کیا تھا۔ اس کی دلیل ان کے حق میں موسیٰ علیہ السلام کی کہی ہوئی یہ بات ہے: "انکم قوم تجھلون" (تم لوگ انجام سے ناواقف لوگ ہو۔) نیز حدیث کے راوی ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ "ہم لوگ کچھ عرصہ پہلے تک حالت کفر ہی میں تھے" یہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا جواب ہے۔ یہی بات صحت کے زیادہ قریب بھی ہے۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ ذات انواط کے واقعہ کے بارے میں کہتے ہیں: تعظیماً کھڑے ہونے کے لئے کسی درخت کو خاص کرنے اور اس درخت پر اپنے ہتھیار لٹکانے کے معاملہ میں کفار سے صحابہ کرام کی مشابہت کو ناپسند کیا گیا تھا تو پھر اس کا کیا حکم ہو گا جو مشرکین کی مشابہت سے بھی زیادہ سنگین ہے یا وہ بعینہ شرک ہے؟

---

(۱) شیخ رحمہ اللہ کے کلام سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ وہ لوگ اس وجہ سے کافر نہیں ہوئے کہ ان لوگوں نے اپنے مطالبہ پر عمل نہیں کیا بلکہ اگر ان لوگوں نے عمل نہ بھی کیا ہوتا لیکن اس کا صرف اعتقاد رکھا ہوتا تو وہ اعتقاد رکھنے کی وجہ سے کافر ہو جاتے۔ اگر ان لوگوں نے اس پر عمل کر لیا ہوتا تو یہ مستزاد ہوتا۔ شیخ رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ان لوگوں نے جہالت و ناواقفیت کی وجہ سے وہ بات کہی تھی۔ جب انہیں انجام سے متنبہ کیا گیا تو وہ ہوش میں آ گئے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے ناواقفیت کی بناء پر وہ مطالبہ کیا تھا۔

اس قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان بلکہ عالم بھی کبھی انجانے میں شرک کی کسی قسم میں ملوث ہو سکتا ہے۔

لہذا اس قصہ سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ شرک کے بارے میں علم حاصل کیا جائے اور اس سے بچنے کی کوشش کی جائے اور اس سے باخبر رہا جائے کیونکہ جاہل کا یہ قول "ہم نے توحید کو سمجھ لیا ہے" بہت بڑی جہالت ہے اور شیطانی دجل وفریب کا حصہ ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان مجتہد جب انجانے میں کوئی کفریہ بات زبان سے نکالے جس پر اسے تنبیہ کی جائے اور وہ فوراً ہی اس سے تائب بھی ہو جائے تو وہ کافر نہیں ہو گا جیسا کہ بنو اسرائیل کے لوگوں نے کیا تھا اور ان لوگوں نے کیا تھا جنہوں نے رسول ﷺ سے ذات انواط کے لئے درخواست کی تھی۔

اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ وہ کافر نہیں ہو گا لیکن کفریہ بات کہنے والے کو سخت بات کہہ کر متنبہ کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا۔

مصنف رحمہ اللہ نے ذات انواط کا قصہ نقل کرنے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے چند فائدے کو بیان کیا ہے، اور وہ فائدے مندرجہ ذیل ہیں:

(أ) اس سے توحید کا علم حاصل کرنے اور شرک سے بچنے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔ ناواقف شخص اس کے بارے میں علم حاصل کرے گا اور عالم شرک میں ملوث ہونے سے بچے گا۔ توحید کا علم اس لئے سیکھے گا تاکہ جہالت کے سبب شرک میں ملوث نہ ہو جائے اور شرک سے بچنے کی کوشش اس لئے ضروری ہے کہ اس سے افضل لوگ قریب تھا کہ شرک اور اس کے وسائل میں ملوث ہو جاتے۔

(ب) توحید کی تدریس و تشریح کا تکرار ضروری ہے۔ لوگوں کو توحید سمجھانے کا کام بار بار ہونا چاہئے تا کہ وہ اسے بھی اچھی طرح سمجھ لیں۔ جاہل کا یہ کہنا کہ توحید کو ہم نے سمجھ لیا ہے بہت بڑی جہالت اور شیطانی مکر و فریب ہے۔ [1]

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: توحید سے بے رغبتی نہیں اختیار کی جائے گی، اس لئے کہ توحید سے لاتعلقی اختیار کرنے سے انسان اس کی ضد یعنی شرک میں ملوث ہو جاتا ہے۔ اسلام کا دعویٰ کرنے والے جو لوگ ہلاک ہوئے تو اس کا سبب یہی تھا کہ انہوں نے توحید کو اس کا حق نہیں دیا اور اس کا اتنا علم حاصل نہیں کیا جتنا کرنا چاہئے تھا۔

(ج) جس نے ناواقفیت کی بناء پر کلمہ کفر کو زبان سے ادا کیا (اس طرح کہ انسان کو پہلے بھی معذور سمجھا گیا ہو) تو وہ اس کی وجہ سے کافر نہیں ہو گا۔ یہاں تک اس تک حجت پہنچا دی جائے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: کسی مسلمان کو کافر کہنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اگرچہ وہ غلطی کا ارتکاب کرے، یہاں تک کہ اس کے خلاف حجت قائم کر دی جائے اور اس کے لئے صحیح راستہ واضح کر دیا جائے۔

(د) جس نے کفریہ بات زبان سے نکالی، اگرچہ اس نے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کیا ہو تو اسے سخت الفاظ میں متنبہ کیا جائے گا جیسا کہ نبی ﷺ نے کیا تھا اور جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا: ''انکم قوم تجھلون'' (تم لوگ بالکل جاہل اور ناواقف لوگ ہو۔)

مشرکین ایک دوسرا شبہ بھی پیش کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں: نبی کریم ﷺ نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے اس اقدام کو ناپسند کیا جب انہوں نے لا الہ الا اللہ کہنے والے کو قتل کر دیا تھا۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اس کے کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے بعد بھی اسے قتل کر دیا؟

اسی طرح آپ ﷺ کا ارشاد ہے: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہیں۔

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں یہ بات کہ ''توحید کو ہم نے سمجھ لیا ہے'' کچھ طلبہ کی زبان سے نکلی تھی جبکہ توحید کے متن کی تدریس بہت زیادہ ہو گئی تھی یا توحید سے متعلق مواد کو بہت زیادہ پڑھایا گیا تو وہ اکتا گئے اور دوسرے موضوع کی کتابیں پڑھنے کی خواہش ظاہر کی۔ ایک قول یہ ہے کہ اس طرح کی بات مراسلین نے کہی تھی۔
شیخ محمد بن عبد الوہاب نے اپنے کچھ رسالوں میں یہ کہا ہے کہ اسی کے ساتھ تمہارا شیطان مویس کہتا ہے کہ گھر کی چھوٹی بچیاں اور دیگر افراد توحید کو جانتے ہیں اور مرد حضرات تو بدرجہ اولیٰ اس سے واقف ہیں۔

نیز کچھ دوسری حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس سے ان جاہلوں کی مراد یہ ہے کہ جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی، نہ اسے قتل کیا جائے گا، اگرچہ وہ جو چاہے کرے۔

ان جاہل مشرکین سے کہا جائے گا: یہ بات معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے جنگ کی اور انہیں قیدی بنایا جبکہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔ صحابہ کرام نے بنو حنیفہ کے لوگوں سے جنگ کی، وہ لوگ بھی توحید ورسالت کی گواہی دیتے تھے، نماز پڑھتے تھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ نیز علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جنہیں آگ میں جلوادیا وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے۔

یہ جاہل لوگ اس بات کو مانتے ہیں کہ جس نے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کیا وہ کافر ہونے کی وجہ سے قتل کا مستحق ہو گیا، اگرچہ وہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔ اسی طرح اگر اس نے ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کیا تو وہ بھی کافر ہونے کی وجہ سے قتل کا مستحق ہو گا، اگرچہ کلمہ لا الہ الا اللہ کہتا ہو۔

پھر یہ کیسی بات ہے کہ اگر وہ اسلام کے فروع میں سے کسی چیز کا انکار کرتا ہے تو کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنا اس کے لئے فائدہ مند نہیں ہو گا اور جب وہ توحید کا منکر ہو گا جو رسولوں کے لائے ہوئے دین کی بنیاد ہے تو اسے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھنے کا فائدہ ہو گا؟

دین کے دشمن اصل میں احادیث کے مفہوم کو سمجھ نہیں سکے:

جہاں تک اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا تعلق ہے تو انہوں نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا تھا جو اسلام کا دعوے دار تھا۔ اسامہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا تھا کہ اس نے جان ومال کے خوف کی وجہ سے عین قتل کے وقت کلمہ پڑھ لیا ہے۔ اس سلسلہ میں قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنے کو مسلمان ظاہر کرے تو اس کی جان ومال سے ہاتھ روک لینا واجب ہے یہاں تک کہ اس سے اسلام کے برخلاف عقیدہ و عمل کا مظاہرہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں یہ آیت نازل کی ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا " (اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جارہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو۔) اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے جو اسلام کو ظاہر کرے اس کی جان ومال سے ہاتھ روک لینا اور تحقیق کرنا واجب ہے۔ اگر اس کے بعد اس کی طرف سے خلاف اسلام عقیدہ و عمل کا پتہ چلے تو اسے قتل کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کہا ہے: " فَتَبَيَّنُوا " یعنی پہلے تحقیق کر لو۔ اگر اسے قتل نہ کیا گیا ہوتا جبکہ اس نے کلمہ پڑھ لیا تھا تو پھر تحقیق کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔

اسی حکم میں دوسری حدیث اور اس معنیٰ کی دیگر احادیث ہیں۔ ان کا مطلب وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا کہ جس نے اسلام اور توحید کو ظاہر کیا اس کی جان ومال سے ہاتھ روک لینا واجب ہے الا یہ کہ اس کی طرف سے اسلام کے منافی کوئی چیز ظاہر ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا: اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ نیز آپ نے یہ ارشاد فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہنے لگیں۔ نیز نبی ﷺ ہی نے خوارج کے بارے میں فرمایا تھا: "وہ لوگ تمہیں جہاں ملیں انہیں قتل کرو" آپ نے ان کے بارے میں یہ بھی فرمایا: "اگر میں نے ان کو پالیا تو قوم عاد کی طرح انہیں ضرور قتل کروں گا" جبکہ یہ خوارج لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار اور لا الہ الا اللہ کہنے والے تھے۔ یہاں تک صحابہ کرام عبادت کے معاملہ میں اپنے کو ان کے سامنے کمتر سمجھتے تھے اور ان خوارج نے دین کا علم صحابہ کرام سے سیکھا تھا۔ جب ان کی طرف سے خلاف شریعت کاموں کا مظاہرہ ہوا تو ان کا لا الہ الا اللہ کہنا، ان کی کثرت عبادت اور مسلمان ہونے کا دعویٰ کرنا انہیں کوئی فائدہ نہیں دے سکا۔ یہود کے خلاف نبی ﷺ کی جنگ اور بنی حنیفہ کے خلاف صحابہ کرام کی جنگ کو اسی تناظر میں دیکھا جائے گا۔

اسی طرح جب ایک شخص نے آکر یہ خبر دی کہ بنو مصطلق نے زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیا ہے تو نبی ﷺ نے ان کے خلاف لشکر کشی کا ارادہ فرمایا۔ اسی موقع سے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا" (اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔) اس شخص نے بنو مصطلق کے بارے میں کذب بیانی کی تھی۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ اس قبیل کی احادیث میں نبی ﷺ کی مراد وہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے۔

مصنف رحمہ اللہ نے یہاں اس شبہ سے متعلق دو مزید دلیلیں ذکر کی ہیں اور دونوں کا جواب بھی دیا ہے:

شبہ سے متعلق تیسری اور چوتھی دلیل اور ان کے جوابات:[1]

تیسری دلیل کا خلاصہ: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں ایک آدمی کے قتل کو ناپسند کیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا تھا۔ آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو سخت بات کہی یہاں تک کہ اسامہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میری تمنا ہوئی کہ میں اس دن سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔[2]

اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہا اسے قتل کرنا صحیح نہیں ہے۔

چوتھی دلیل کا خلاصہ: نبی ﷺ نے اسے قتل کرنے سے منع فرمایا ہے جو لا الہ الا اللہ کہے۔[3]

---

(۱) پہلی دلیل: یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے لوگوں نے ان سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا تھا جو کفر تھا اس کے باوجود ان پر کافر ہونے کا حکم نہیں لگایا ہے۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ نبی ﷺ کے اصحاب نے آپ سے ایسی چیز کا مطالبہ کیا جو کفر تھا اس کے باوجود انہیں کافر قرار نہیں دیا گیا۔

(۲) اسامہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہم لوگوں کو اہل حرقہ کی طرف روانہ کیا تھا۔ صبح کے وقت ہماری ان سے مڈبھیڑ ہوئی۔ ہم لوگوں نے انہیں شکست دے دی۔ میرا اور ایک انصاری صحابی کا اہل حرقہ میں سے ایک شخص سے آمنا سامنا ہوا۔ جب ہم نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تو اس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا، انصاری صحابی نے اپنا ہاتھ روک لیا لیکن میں نے اسے نیزہ مار کر قتل کر دیا۔ جب ہم واپس آئے تو نبی ﷺ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا: اے اسامہ! اس کے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر دیا؟ میں نے عرض کیا! وہ کلمہ کی آڑ میں خود کو بچانا چاہ رہا تھا۔ آپ ﷺ بار بار اپنی بات دہراتے رہے یہاں تک کہ میری خواہش ہوئی کہ میں اس دن سے پہلے اسلام نہ لایا ہوتا۔ (متفق علیہ)

صحیح مسلم میں ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "کیا تم نے اسے قتل کر دیا؟" میں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے فرمایا: تم لا الہ الا اللہ کا کیا کرو گے جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! میرے لئے مغفرت کی دعا کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: تم کلمہ لا الہ الا اللہ کا کیا کرو گے جب وہ قیامت کے روز آئے گا؟ آپ یہی جملہ دہراتے رہے کہ تم اس کلمہ کا سامنا کیسے کرو گے جب وہ قیامت کے دن آئے گا؟

(۳) آپ ﷺ کا ارشاد ہے: مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیں۔ جس نے اس کلمہ کو پڑھ لیا اس کی جان اور مال مجھ سے محفوظ ہو گئے، مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (متفق علیہ)

شبہ کی دونوں دلیلوں کے جواب کا خلاصہ:

۱۔ عام جواب: اس سے پہلے اس شبہ کے جو جوابات گزر چکے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے یہود کے ساتھ جنگ کی جبکہ وہ لوگ لا الہ الا اللہ کہتے تھے۔ صحابہ کرام نے بنی حنیفہ سے جنگ کی جبکہ وہ لوگ بھی یہ کلمہ توحید پڑھتے تھے اور علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس کلمہ کو پڑھنے والی ایک جماعت کو آگ میں جلانے کی سزا دی تھی۔

ان مشرکین سے یہ بھی کہا جائے گا: تم لوگ کہتے ہو کہ موت کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرنے والا کافر ہے اور ارکان اسلام میں سے کسی رکن کا انکار کرنے والا کافر ہے، (یہ صحیح بھی ہے) جبکہ وہ لا الہ الا اللہ بھی کہتا ہو۔ اس سے تمہارا یہ قول باطل ہو جاتا ہے کہ جو لا الہ الا اللہ کہے گا اس کی نہ تو تکفیر کی جائے گی نہ اسے قتل کیا جائے گا۔

۲۔ خاص جواب: کوئی انسان جب مسلمان ہونے کا دعویٰ کرے تو اس کی جان و مال سے ہاتھ روک لینا واجب ہے یہاں تک کہ اس کے اس کے دعویٰ کی سچائی واضح ہو جائے۔ اگر اس کی جانب سے دعویٰ کے برخلاف عمل کا مظاہرہ ہو تو اس کی تکفیر اور اسے قتل کرنا واجب ہو گا اگرچہ وہ لا الہ الا اللہ کہے۔ اس کے لئے علماء نے چند شرطیں مقرر کی ہیں ان پر عمل کرتے ہوئے اس کے خلاف اقدام کیا جائے گا۔

ابن حجر کہتے ہیں: ایسے شخص کے خلاف اقدام کرنے سے ہاتھ روک لیا جائے گا یہاں تک کہ اس کے معاملہ کی تصدیق ہو جائے کہ اس نے دل سے یہ کلمہ پڑھا ہے یا قتل کے ڈر سے پڑھا ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا " (۱) (اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں، تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو)

---

(۱) ابن الجوزی زاد المسیر میں کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے ارشاد: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا" کے سبب نزول کے تعلق سے چار اقوال ہیں:

پہلا قول: یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سریہ روانہ کیا تھا جس میں مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ جب وہ لوگ اس آبادی میں پہنچے جہاں کے لئے روانہ ہوئے تھے تو دیکھا کہ لوگ منتشر ہو چکے ہیں۔ صرف ایک شخص باقی رہ گیا ہے جس کے پاس بہت مال بھی ہے، وہ کہیں نہیں گیا ہے۔ اس شخص نے کہا: أشهد أن لا اله الا الله۔ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا۔ ایک صحابی نے ان سے کہا: کیا تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جو گواہی دیتا ہے کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن حجر اس آیت کے بارے میں کہتے ہیں: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جس نے اسلام کی کوئی بھی علامت ظاہر کی اس کا خون حلال نہیں ہو گا یہاں تک کہ اس کے معاملہ کی جانچ پڑتال کی جائے، اس لئے کہ السلام علیکم کہنا مسلمانوں کا سلام ہے۔ زمانہ جاہلیت میں غیر مسلمین کا سلام اس کے بر خلاف تھا لہذا اسے علامت مانا گیا ہے۔

= اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے؟! میں نبی ﷺ سے ضرور اس کا تذکرہ کروں گا۔ جب وہ لوگ نبی ﷺ کے پاس واپس آئے تو صحابہ نے کہا: اے اللہ کے رسول! ایک شخص نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے پھر بھی مقداد نے اسے قتل کر دیا۔ آپ نے فرمایا: مقداد کو بلاؤ۔ پھر آپ نے فرمایا: کیا تم نے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے لا الہ الا اللہ کہا۔ تم کل قیامت کے دن کیسے لا الہ الا اللہ کا سامنا کرو گے؟ اسی موقع سے یہ آیت ناول ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا: وہ شخص مومن تھا، اپنی قوم کے کافروں کے ساتھ رہتے ہوئے اپنے ایمان کو چھپاتا تھا، پھر اس نے اپنے ایمان کو ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ تم بھی مکہ میں پہلے اسی کی طرح ایمان کو چھپاتے تھے۔ سعید بن جبیر نے یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

دوسرا قول: بنو سلیم کا ایک شخص صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا۔ اس کے ساتھ بکریاں تھیں۔ اس نے مسلمانوں کو سلام کیا۔ صحابہ نے کہا: اس نے تم کو سلام کیا ہے تاکہ اس کی آڑ میں بچ جائے۔ پھر مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے لیں۔ وہ لوگ بکریوں کو لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ عکرمہ نے یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ مکہ کے کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے روانہ کردہ سریہ کے بارے میں سنا کہ وہ ان ہی کی تلاش میں روانہ ہوا ہے۔ وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے۔ صرف ایک شخص اپنی جگہ باقی رہ گیا جو اسلام لا چکا تھا، اس کا نام مرداس تھا۔ مسلمان کے دستہ میں ایک شخص شامل تھا جس کا نام غالب بن فضالہ تھا۔ مرداس نے مسلمانوں کے گھوڑ سواروں کو دیکھ کر اللہ اکبر کہا، ان کے پاس چل کر آیا اور انہیں سلام بھی کیا پھر بھی اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں کو ہنکا لے گئے۔ واپس جا کر نبی کریم ﷺ کو اس کے بارے میں بتایا تو اللہ کے رسول ﷺ سن کر بہت غصہ ہوئے۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ ابو صالح نے یہ تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ سدی کے بقول: اسامہ رضی اللہ عنہ امیر سریہ تھے۔

چوتھا قول: یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ابو حدرد اسلمی، ابو قتادہ، محلم بن جثامہ کو اضم کی طرف ایک سریہ کے تحت بھیجا تھا۔ ان لوگوں کا آمنا سامنا عامر بن اضبط اشجعی سے ہوا۔ عامر نے ان لوگوں کو اسلامی طریقہ سے سلام کیا لیکن محلم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا اور اس کا اونٹ اور پانی کا برتن چھین لیا۔ جب یہ لوگ نبی ﷺ کے پاس آئے تو اس واقعہ کی خبر دی۔ آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے قتل کر دیا جبکہ اس نے کہا تھا کہ میں ایمان لا چکا ہوں؟! اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی تھی۔ اس تفسیر کو ابن ابی حدرد نے اپنے والد کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

یہ سارے دلائل جن میں یہ کہا جاتا ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے والے کی تکفیر اور اس سے قتال جائز نہیں ہے کا جواب وہی دیا جائے گا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اگر کلمہ کے منافی عقیدہ و عمل کا مظاہرہ ہو گا تو پھر کلمہ پڑھنے کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ اس طرح مشرکین کا یہ شبہ باطل قرار پائے گا۔

اس شبہ کے جواب میں یہ بات بھی کہی جائے گی کہ جس نبی ﷺ نے یہ بات کہی ہے کہ کلمہ گو قتل نہیں کیا جائے۔[1] انہوں نے ہی خوارج کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا ہے: "وہ لوگ تمہیں جہاں بھی ملیں انہیں قتل کر دو۔ انہیں قتل کرنے والے کو قیامت کے دن اجر و ثواب ملے۔" (متفق علیہ) ان کے بارے میں آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے: "اگر میں پالوں گا تو میں انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا"۔ (متفق علیہ) جبکہ وہ خوارج لا الہ الا اللہ کہتے تھے، نمازیں پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، تہجد گزاری کرتے تھے بلکہ بظاہر ان کے اعمال صحابہ کے اعمال سے بھی زیادہ تھے جیسا کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: "تم ان کی نماز کے سامنے اپنی نماز کو حقیر سمجھو گے۔" (متفق علیہ)[2]

اس پر یہ اضافہ بھی کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسی حدیث میں یہ استثناء کیا ہے کہ "الا بحقہ" مگر اس کے حق کے ساتھ۔ اس کی وجہ سے تمہارا حدیث کو عموم پر محمول کرنا باطل ہو گیا بلکہ یہ حدیث تمہارے خلاف حجت بن گئی۔

ابن حجر کہتے ہیں: اگر "بحقہ" میں ضمیر اسلام کی طرف لوٹے گی تو جہاں پر بھی اسلام کا حق ثابت ہو گا وہ اسے اپنے دائرہ میں لے لے گا۔ اسی لئے صحابہ کرام نے مانعین زکوۃ سے جنگ کرنے پر اتفاق کیا تھا۔

اور اسی وجہ سے نبی ﷺ نے بنو مصطلق کے خلاف فوج کشی کا ارادہ کیا تھا جب آپ کو کسی نے یہ خبر دی تھی کہ ان لوگوں نے زکاۃ کی ادائیگی روک دی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا " (اے مسلمانو! اگر تمہیں کوئی فاسق خبر دے تو تم اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو) خبر دینے والا شخص جھوٹا تھا۔

---

(۱) آپ ﷺ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے کہ میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔ جس نے اس کلمہ کو پڑھ لیا اس کی جان و مال مجھ سے محفوظ ہو گئے مگر اس کے حق کے ساتھ اور اس کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۲) **تنبیہ:** یہاں خوارج کے بارے میں کلام کا مقصد ان سے جنگ کرنے کے حکم کو واضح کرنا ہے۔ جہاں تک ان کے کفر کی بات کی ہے تو اس تعلق سے امام احمد کے مسلک میں دو روایتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ وہ کافر نہیں ہیں۔ جمہور صحابہ اور بعد کے علماء کا یہی موقف ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اہل علم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کسی مسئلہ کے بارے میں تمام نصوص کو جمع کرتے ہیں پھر ان نصوص کو تطبیق دیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ محکم نصوص کو چھوڑ متشابہ کی اتباع کرتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

یہ مشرکین ایک اور شبہ پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بتایا ہے کہ قیامت کے دن لوگ آدم علیہ السلام سے فریاد کریں گے، پھر نوح علیہ السلام سے، پھر ابراہیم علیہ السلام سے، پھر موسیٰ علیہ السلام سے، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے۔ سارے نبی معذرت کر دیں گے یہاں تک کہ لوگ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس پہنچیں گے۔

یہ لوگ کہتے ہیں کہ غیر اللہ سے فریاد کرنا اور مدد مانگنا شرک نہیں ہے۔

اس کے جواب میں آپ یہ کہیں: پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے دشمنوں کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ مخلوق سے وہ مدد مانگنا جس پر وہ قادر ہو، ہم اس کے منکر نہیں ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"فَاسْتَغَاثَهُ الَّذِي مِن شِيعَتِهِ عَلَى الَّذِي مِنْ عَدُوِّهِ" (موسیٰ علیہ السلام کے گروہ کے آدمی نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف مدد مانگی۔) یہ اسی قبیل سے ہے جیسے کہ کوئی شخص جنگ میں اپنے ساتھیوں سے ایسی مدد مانگتا ہے جس پر مخلوق قادر ہوتی ہے۔

ہم اس طرح کی مدد مانگنے کا انکار کرتے ہیں جو عبادت کے قبیل سے ہے جیسا کہ لوگ اولیاء کی قبروں کے پاس یا ان کی غیر موجودگی میں[1] اس طرح کی مدد مانگتے ہیں جس پر صرف اللہ تعالیٰ قادر ہے۔

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: مصنف رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "اولیاء کی قبر پر حاضر ہو کر ان کی غیر موجودگی میں دعا کی درخواست کرنا۔" یہ بات انہوں نے موجودہ صورت حال کو سامنے رکھ کر کہی ہے کیونکہ عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے۔ بتوں وغیرہ سے اسی طرح دعا مانگی جاتی ہے اور زندہ حاضر سے وہ چیز مانگی جاتی ہے جس پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے مثلاً دلوں کو ہدایت دینے کی درخواست یا پہاڑ کو ہٹانے کی درخواست وغیرہ یہ سب شرکیہ استغاثہ ہے۔

جب یہ بات ثابت ہو گئی تو قیامت کے دن انبیاء سے فریاد کرنے اور مدد مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگ ان سے اللہ سے دعا کرنے کی درخواست کریں گے تاکہ وہ لوگوں کا حساب کتاب شروع کرے جس سے اہل جنت کو میدان حشر کی پریشانی میں راحت کا احساس ہو۔

یہ دنیا و آخرت میں جائز ہے کہ تم کسی نیک آدمی کے پاس جاؤ جو تمہارے ساتھ بیٹھا ہو اور تمہاری بات سن رہا ہو، تم اس سے کہو کہ میرے لئے دعا کر دیجئے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب آپ سے آپ کی زندگی میں دعا کی درخواست کیا کرتے تھے۔

آپ کے انتقال کے بعد صحابہ نے آپ کی قبر کے پاس جاکر دعا کی درخواست کی ہو اس کا کوئی ادنیٰ ثبوت بھی موجود نہیں ہے بلکہ سلف نے آپ ﷺ کی قبر کے پاس جاکر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کو بھی ناپسند کیا ہے تو خود آپ ﷺ سے دعا مانگنے کا کیا حکم ہوگا وہ بالکل ظاہر ہے۔[1]

دسواں شبہ: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ صالحین سے فریاد کرنا اور مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ شفاعت سے متعلق حدیث میں اس کا ثبوت موجود ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ فریاد و مدد اور طلب شفاعت جائز استغاثہ کے قبیل سے ہے اس لئے کہ میدان حشر میں سب لوگ زندہ اور موجود ہوں گے اور ان سے جو مطالبہ کیا جائے گا اسے پورا کرنے پر قادر ہوں گے لہذا یہ استدلال اس اختلافی جگہ کے لئے موزوں نہیں ہے۔

(۱) اس سے مصنف رحمہ اللہ کا اشارہ اس روایت کی طرف ہے جسے ضیاء نے المختارۃ میں نقل کیا ہے اور ابن الہادی نے الصارم المنکی میں اسے حسن قرار دیا ہے: علی بن حسین بن علی بن ابی طالب نے ایک شخص کو دیکھا کہ قبر نبوی کے پاس شگاف میں جاتا ہے اور وہاں دعا کرتا ہے۔ انہوں نے اس شخص کو اس کام سے منع کیا اور کہا کہ کیا میں تم سے وہ حدیث بیان کردوں جو میں نے اپنے والد سے سنی ہے، انہوں نے میرے دادا سے سنی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا: تم لوگ میری قبر کو عید گاہ نہ بناؤ اور نہ اپنے گھروں کو قبرستان بناؤ، تمہارا سلام مجھ تک پہنچے گا چاہے تم جہاں بھی رہو۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ مخلوق سے فریاد اور مدد کی دو قسمیں ہیں:

(أ)

جائز فریاد و مدد: یہ فریاد و مدد زندہ و حاضر سے مانگی جاتی ہے جس پر وہ قادر بھی ہوتا ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اِس کی دلیل بھی ذکر کی ہے اور وہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "فاستغاثه الذي من شيعته على الذي من عدوه" (موسیٰ علیہ السلام کے گروہ کے آدمی نے ان سے اپنے دشمن کے خلاف مدد مانگی)

(ب) شرکیہ مدد و فریاد: یعنی مردے سے یا غیر موجود سے مدد یا فریاد کرنا یا ایسی چیز طلب کرنا جو رب سبحانہ وتعالیٰ کی خصوصیات میں سے ہے مثلاً رزق اور بچہ دینا اور اِسی قبیل کی چیزیں۔

توحید کی طرف دعوت دینے والے جس استغاثہ (مدد و فریاد) کا انکار کرتے ہیں وہ شرکیہ استغاثہ ہے۔

وہ حدیث جس سے تم لوگوں نے استدلال کیا ہے وہ تمہاری مراد پر دلالت نہیں کرتی ہے۔ کیونکہ اس قسم کا استغاثہ جائز ہے، انبیاء اس وقت زندہ ہوں گے، لوگوں کی بات سن رہے ہوں گے، لوگوں سے مخاطب ہوں گے۔ لوگ ان سے اس چیز کا مطالبہ کریں گے جسے پورا کرنے پر وہ قادر ہوں گے اور وہ یہ کہ اللہ سے لوگوں کی سفارش کر دیں۔

اِس شفاعت کا اس مطالبہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں یعنی مردوں اور غیر موجود لوگوں سے مانگنا یا موجود سے وہ چیز مانگنا جس پر وہ قادر نہیں ہے۔

مشرکین کا ایک اور شبہ ہے۔ یہ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ سے متعلق ہے۔ جب انہیں آگ میں ڈال دیا گیا تو ان کے سامنے جبرئیل علیہ السلام ہوا میں نمودار ہوئے اور ان سے کہا: کیا آپ کی کوئی ضرورت ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میری ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے جسے آپ سے پوری کراؤں۔

اِن لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر جبرئیل سے استغاثہ شرک ہوتا تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی پیشکش نہیں کرتے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ پہلے شبہ کے قبیل سے ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو فائدہ پہنچانے کی پیشکش ایسے معاملہ میں کی تھی جس پر وہ قادر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں کہا ہے کہ وہ "شدید القوی" یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت زیادہ طاقت و قوت والے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اجازت دیتا تو وہ بت پرستوں کی بھڑکائی ہوئی آگ کو اور اس کے آس پاس کی زمین اور پہاڑوں کو مشرق یا مغرب میں اٹھا کر پھینک دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو آگ سے اٹھا کر بہت دور کسی جگہ ڈال دیتے۔ اگر اللہ تعالیٰ انہیں حکم دیتا تو وہ ابراہیم علیہ السلام کو اٹھا کر آسمان پر لے جاتے۔

اِس کی مثال ایک مالدار انسان کی ہے جس کے پاس مال کثیر ہو، وہ کسی محتاج کو دیکھے تو اُسے قرض یا ہدیہ دینے کی پیشکش کرے جس سے وہ اپنے ضرورت پوری کرلے۔ وہ محتاج مالدار سے کچھ لینے سے انکار کردے اور صبر کرنے کو ترجیح دے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رزق اسے حاصل ہو جائے جس میں کسی کا احسان نہ ہو۔

اِس کا اس استغاثہ سے کہاں کوئی تعلق ہے جو عبادت کا حصہ ہونے کی وجہ سے شرک ہے۔ اگر یہ لوگ سمجھتے؟!

گیارہواں شبہ: اِس کا خلاصہ یہ ہے غیر اللہ سے استغاثہ (مدد و فریاد کرنا) جائز ہے، اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام نے ابراہیم علیہ السلام کو مدد کی پیشکش کی تھی اور ابراہیم علیہ السلام نے اِس پر ان کی نکیر نہیں کی تھی۔

اس کے جواب کا خلاصہ:

ا۔ یہ واقعہ ضعیف سند سے منقول ہے۔[1]

---

(۱) ابن جریر نے اِس اثر کو اپنی تفسیر میں معتمر بن سلیمان تیمی کی سند سے نقل کیا ہے وہ اپنے کچھ ساتھیوں سے روایت کرتے ہیں۔ ابن کثیر نے اِسے اپنی تفسیر میں کچھ سلف کی طرف منسوب کیا ہے۔ بغوی نے سورہ الانبیاء کی تفسیر میں ابراہیم علیہ السلام کے اِس واقعہ کو کعب احبار کے حوالہ سے نقل کیا ہے لیکن سند ذکر نہیں کی ہے۔ عجلونی نے اِس قصہ کو کشف الخفاء میں روایت کیا ہے اور اسے کعب احبار کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس روایت کے الفاظ ایک دوسرے سے مختلف ہیں، بعض روایتوں میں اضافہ بھی ہے۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: یہ روایت کہ خلیل علیہ السلام کو جب منجنیق میں ڈالا گیا تو جبرئیل نے ان سے کہا: آپ کا کوئی مدعا ہو تو بتائیے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا: میرے مدعا اور سوال کے لئے وہ ذات کافی ہے جو میری حالت سے آگاہ ہے۔ اِس کی کوئی معروف سند نہیں ہے، یہ روایت باطل ہے۔ صحیح میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کی یہ روایت منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس موقع پر کہا تھا: حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا تو انہوں نے یہی دعا پڑھی تھی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا اس وقت پڑھی تھی جب لوگوں نے کہا تھا کہ لوگ آپ کو نقصان پہنچانے کے لئے جمع ہو گئے آپ ان سے ڈریئے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ جبرئیل نے ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا: کیا آپ کی کوئی ضرورت ہے؟ ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: میری ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے جو آپ سے پوری کراؤں۔ امام احمد وغیرہ نے اِس روایت کو نقل کیا ہے۔ دیکھئے: السلسلة الضعيفة (۱/۷۴)

۲۔ اگر یہ واقعہ ثابت ہو تا تب بھی اِس قسم کا استغاثہ جائز ہے، اس لئے کہ جبرئیل علیہ السلام سامنے موجود تھے اور ابراہیم علیہ السلام کی مدد کرنے پر قادر تھے۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: جس نے یہ کہا کہ ابراہیم علیہ السلام کا جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ مکالمہ غیر اللہ سے استغاثہ کے جائز ہونے کی مثال ہے یا جس نے اِس معاملہ میں توقف اختیار کیا تو یہی کہا جائے گا کہ اس کی عقل میں خلل ہے۔

ہم اس کتاب کو ایک اہم اور عظیم الشان آیت قرآنی پر ختم کررہے ہیں جس سے اِس رسالہ میں بیان کردہ باتوں کو سمجھنا آسان ہو گا۔ ہم اس کے عظیم الشان ہونے اور لوگوں کے بکثرت غلط فہمی میں مبتلا ہونے کی وجہ سے بطور خاص الگ سے اس پر کلام کررہے ہیں۔ ہمارا یہ کہنا ہے کہ اِس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے لئے توحید کا دل میں ہونا، زبان سے اس کا اقرار اور عمل سے اس کا اظہار ضروری ہے۔ اگر اِن میں سے کوئی پہلو ناقص رہا تو آدمی مسلمان نہیں کہلائے گا۔

اگر کسی نے توحید کو جان لیا اور سمجھ لیا پھر اس پر عمل نہیں کیا تو وہ فرعون اور ابلیس وغیرہ ہی کی طرح کافر اور اللہ کا باغی ہے۔

اس سلسلہ میں بہت سے لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ توحید حق ہے، ہم اسے سمجھتے ہیں اور اس کے حق ہونے کی گواہی دیتے ہیں لیکن اس پر عمل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہمارے شہر والوں کو صرف وہی چیز گوارہ ہے جو ان کے خیال وعقیدہ سے ہم آہنگ ہے۔ وہ لوگ اِسی طرح کے اعذار پیش کرتے ہیں۔

اس مسکین کو یہ معلوم نہیں ہے کہ کفر کے سرغنہ لوگوں کی اکثریت حق کو پہچانتی تھی اور ان لوگوں نے اپنے کسی ذاتی عذر ہی کی بنا پر حق سے انحراف کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اشتروا بآیات اللہ ثمنا قلیلاً“ (انہوں نے اللہ کی آیتوں کو بہت کم قیمت پر بیچ دیا) اس کے علاوہ بھی آیات ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ”یعرفونہ کما یعرفون أبناءھم“ (وہ لوگ اس نبی کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچانتے ہیں)

اگر کسی نے توحید پر ظاہری طور پر عمل کیا جبکہ وہ اُسے سمجھتا نہ ہو۔[1] اور دل میں اس کا عقیدہ نہ رکھتا ہو تو وہ منافق ہے اور وہ پکے کافر سے بھی زیادہ برا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار“ (منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے)

یہ ایک طویل مسئلہ ہے۔ جب آپ اِس پر طویل غور وخوض کریں گے تب ہی اس کی حقیقت واضح ہو گی۔ جب آپ اس مسئلہ کو لوگوں کی زبان سے سنیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ کچھ لوگ اس کو بطور حق پہچان لینے کے باوجود دنیا، جاہ ومنصب اور ملک گیری میں خسارہ کے سبب اس پر عمل کو ترک کر دیا ہے۔

آپ کو کچھ ایسے لوگ بھی ملیں گے جو ظاہری طور پر توحید پر عمل کرتے ہیں، باطنی طور پر نہیں۔ جب آپ اس سے دریافت کریں گے کہ وہ دل میں کس چیز کا اعتقاد رکھتے ہیں تو معلوم ہو گا کہ وہ اِس کے بارے میں کچھ جانتے ہی نہیں ہیں۔

اِس سلسلہ میں کتاب اللہ کی دو آیات کو آپ کے لئے سمجھنا ضروری ہے۔

پہلی آیت وہ ہے جو پیچھے گزر چکی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد: ”لا تعتذرواقد كفرتم بعد إيمانكم“ (تم بہانے نہ بناؤ یقیناً تم اپنے ایمان کے بعد بے ایمان ہو گئے)

---

(۱) شیخ محمد بن ابراہیم کے بقول: یا اس نے توحید کو سمجھا لیکن دل سے اُسے تسلیم نہیں کیا۔

جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ کچھ صحابہ کرام[1] جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رومیوں کے خلاف جنگ میں شریک تھے ازراہ مذاق ایک کفریہ بات زبان سے نکالنے کی وجہ سے کافر ہو گئے تھے تو اس سے یہ بات آپ کے لئے واضح ہو جانی چاہیئے کہ جو شخص مال یا جاہ و منصب یا کسی کے لئے خاطر مدارات میں کمی ہونے کے ڈر سے کفریہ بات زبان سے کہتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے وہ اس شخص سے بڑا کافر ہے جو مذاقاً کوئی کفریہ بات زبان سے نکالتا ہے۔

دوسری آیت اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: "من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أُكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدراً" (جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں)

ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ نے معذور نہیں سمجھا ہے سوائے اس کے جسے کفر کرنے پر مجبور کیا جائے جبکہ اس کا دل ایمان باللہ پر جما ہوا ہو۔ اس کے علاوہ جو بھی ہے اس نے ایمان کے بعد کفر کیا چاہے اس کی وجہ کسی کا ڈر ہو یا لالچ ہو یا کسی کی مدارات ہو یا وطن، اہل و عیال، کنبہ و خاندان یا مال کی لالچ ہو یا ازراہ مذاق کفر کیا ہو یا ان کے علاوہ دوسرے اغراض و مقاصد ہوں۔ اس حکم سے صرف وہ شخص مستثنیٰ ہے جسے کفر کرنے پر مجبور کیا گیا ہو۔ یہ آیت کریمہ دو اعتبار سے اس مفہوم پر دلالت کر رہی ہے:

---

(۱) اگر مصنف رحمہ اللہ نے یہ کہا ہوتا کہ کچھ لوگ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رومیوں کے خلاف جنگ کے لئے نکلے تھے تو یہ تعبیر زیادہ درست اور بہتر ہوتی۔ اوپر اس پر بات ہو چکی ہے۔

پہلی وجہ: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "إلا من أُكره" کہہ کر صرف اس شخص کو مستثنیٰ کیا ہے جسے کفر کرنے پر مجبور کیا گیا ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ انسان کو کوئی عمل کرنے یا کوئی بات زبان سے کہنے ہی پر مجبور کیا جاتا ہے۔ دل میں موجود عقیدہ تبدیل کرنے پر کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا ہے۔

دوسری وجہ: اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں آگے ارشاد فرمایا ہے: "ذلك بأنهم استحبوا الحياة الدنيا على الآخرة" (یہ اس لئے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے زیادہ محبوب رکھا) اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ صراحت کر دی ہے کہ ان کافروں پر جو عذاب آیا اس کا سبب ان کا اعتقاد، لاعلمی، دین سے بغض یا کفر کی محبت نہیں تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے دنیا کی کچھ متاع فانی کو آخرت پر ترجیح دی تھی۔ واللہ اعلم

یہ اس کتاب کا تیسرا حصہ ہے۔ یہ اس کتاب کا اہم خاتمہ ہے۔ شیخ رحمہ اللہ نے اس پر کتاب کو ختم کیا ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی انسان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ توحید کو جان لینے کے بعد قول یا عمل یا اعتقاد کے ذریعہ اس کی خلاف ورزی کرے۔ جو شخص ایسا کرے گا وہ کافر ہو جائے گا، اگرچہ اس کے باقی اعمال میں کوئی کمی یا توحید کی خلاف ورزی موجود نہ ہو۔ اس حکم سے صرف ایک حالت مستثنیٰ ہے اور وہ یہ کہ کسی کو کفر کرنے پر مجبور کیا گیا ہو بشرطیکہ اس کے دل میں ایمان راسخ ہو۔

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ شیخ رحمہ اللہ کے زمانہ میں کچھ لوگ شیخ کی توحید کو قبول کرنے اور شرک سے دور رہنے کی دعوت سے مکمل طور پر متفق تھے لیکن وہ لوگ مختلف اسباب کی بنا پر توحید کے پابند نہیں تھے۔ شیخ نے یہ کہہ کر ان ہی اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے: "وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ حق ہے، ہم اسے سمجھتے بھی ہیں، ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ حق ہے لیکن ہم اس پر عمل کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ ہمارے شہر والوں کو وہی چیز گوارہ ہے جو ان کے عقیدہ سے ہم آہنگ ہو اور اس کے علاوہ

دوسرے عذر بھی پیش کرتے ہیں۔" آگے انہوں نے کہاہے:"یہ ایک طویل مسئلہ ہے۔جب آپ اس پر غور وخوض کریں گے تب اس کی حقیقت سمجھ میں آئے گی۔جب آپ لوگوں کی باتیں سنیں گے تو اندازہ ہو گا کہ کچھ لوگ حق کو جانتے ہیں لیکن دنیاوی مال ومتاع، جاہ ومنصب اور ملک گیری میں کمی کے خوف سے اس پر عمل نہیں کرتے ہیں۔"

شیخ رحمہ اللہ نے یہاں یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جس نے توحید کے معاملہ میں اس طرح کی کوتاہی کی وہ کافر ہے، اس لئے کہ توحید کو ترک کرنے کے لئے ان کے عذر قابل قبول نہیں ہیں۔انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ کفر کے سرغنہ لوگوں کے پاس بھی عذر تھے۔شیخ رحمہ اللہ نے یہ بیان کر دیا ہے کہ شدید مجبوری کی حالت ہی میں کوئی معذور سمجھا جائے گا جبکہ اس کا دل توحید اور ایمان کے تعلق سے مطمئن ہو۔

مصنف رحمہ اللہ نے ان اہم باتوں کا تذکرہ کرنے سے پہلے بہت اہمیت کا حامل مقدمہ پیش کیا ہے۔انہوں نے پہلے ایمان کے مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے مسلک کو ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایمان قول وعمل اور اعتقاد سے عبارت ہے یعنی دل میں اعتقاد ہو، زبان سے اقرار ہو اور اعضاء کے ذریعہ اس پر عمل ہو۔توحید عام معنی میں ایمان کا ایک جزء ہے، لہذا توحید کا تعلق دل، زبان اور عمل سب سے ہے۔اگر ان میں سے کسی ایک میں بھی کمی واقع ہو جائے تو وہاں توحید نہیں ہو گا۔[1]

---

(۱) شیخ محمد بن عبد الوہاب کہتے ہیں: اللہ آپ پر رحم کرے، آپ یہ بات جان لیں کہ دل میں اللہ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ اس کا اعتقاد رکھا جائے، اس سے محبت کی جائے اور اس کے برخلاف چیزوں سے بغض رکھا جائے۔زبان پر اللہ کے دین کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے کلمہ توحید کو ادا کیا جائے اور کفریہ بات زبان سے نہ نکالی جائے۔اعضاء پر دین کا مطلب یہ ہے کہ ارکان اسلام پر عمل کیا جائے اور ان کاموں کو چھوڑ دیا جائے جن کی وجہ سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔اگر ان تینوں میں سے کسی ایک چیز میں کمی رہ گئی تو انسان کافر و مرتد ہو جائے گا۔

شیخ محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: تینوں چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے۔ضروری ہے کہ دل میں اس کا اعتقاد ہو، زبان اُسی کی گواہی دے اور اعضاء اُسی پر عمل کریں۔اگر اِن میں سے ایک چیز بھی کم ہو گئی، یعنی وہ زبان سے توحید کا اقرار کرے لیکن دل سے نہ کرے تو وہ توحید اُسے فائدہ نہیں دے گی۔اگر دل میں توحید ہو اور اعضاء اس پر عمل کریں لیکن زبان سے اس کا اقرار نہ ہو تو اس سے اُسے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔اگر وہ اعضاء سے توحید پر عمل کرے لیکن زبان ودل سے اسے نہ مانے تو ایسا شخص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

مصنف رحمہ اللہ نے مقام و محل کے اعتبار سے توحید کی تین قسمیں کی ہیں:

(أ) دل کی توحید: یہ توحید کی سب سے اہم اور عظیم قسم ہے اِس پر عمل کسی حال میں ساقط نہیں ہوتا ہے۔

اس میں دل کا قول و قرار شامل ہے، یعنی اس کا علم، اس کا اقرار اور اس کی تصدیق۔ انسان کے لئے واجب ہے کہ وہ توحید کا عقیدہ رکھے اور اِس بات کی تصدیق کرے کہ اللہ تعالیٰ اکیلا اس کا معبود ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اِس میں دل کا عمل شامل ہے، یعنی محبت، خوف، توکل، خشیت، اطاعت، قبول، اخلاص اور دیگر تمام قلبی عبادات جو لا اِلٰہ اِلا اللہ کی شہادت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتی ہیں۔

(ب) زبان کی توحید: یعنی زبان سے لا اِلٰہ اِلا اللہ کہنا۔ یہ واجب اور لازم ہے۔ اس پر عمل تبھی ساقط ہو گا جب انسان عاجز و بے بس ہو۔

ابن تیمیہ کہتے ہیں: جس نے قدرت رکھنے کے باوجود زبان سے تصدیق نہیں کی وہ موحد نہیں کہلائے گا۔

(ج) اعضاء کی توحید: یعنی لا اِلٰہ اِلا اللہ پر عمل کرنا۔ یعنی تمام اعمال اور عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لئے انجام دی جائیں مثلاً دعا، ذبح، نماز، اور ہر قسم کی دیگر عملی عبادات۔

اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے توحید کی ان تین قسموں کے اعتبار سے لوگوں کی اقسام کو بیان کیا ہے:

ا۔ وہ شخص جس نے توحید کو پہچانا لیکن اس پر عمل نہیں کیا۔

یہ وہ شخص ہے جس نے دل سے توحید کو پہچان لیا لیکن اعضاء و جوارح سے اس پر عمل نہیں کیا تو وہ کافر ہے۔ مصنف نے اسی قسم پر خصوصی توجہ مرکوز کی ہے اور اس پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

پر) = مسلمان نہیں ہو گا۔ اس پر سب کا اجماع ہے کہ انسان دل میں اعتقاد رکھنے، زبان سے اقرار کرنے اور اعضاء کے ذریعہ اس پر عمل کرنے کے بعد ہی موحد ہوتا ہے۔

(أ) جس نے توحید کو پہچانا لیکن اسے بغیر کسی عذر کے یا نا قابل اعتبار عذر کی وجہ سے ترک کر دیا۔ ان لوگوں کی چند اقسام ہیں:

۱۔ جس نے بطور سرکشی اس پر عمل کو ترک کیا مثلاً ابلیس اور فرعون وغیرہ۔

۲۔ جس نے مال میں کمی کے خوف سے توحید پر عمل کو ترک کر دیا مثلاً اسے یہ لگا کہ لوگ اگر اسے بطور موحد پہچان لیں گے تو اس کے ساتھ خرید و فروخت نہیں کریں گے۔

۳۔ جس نے جاہ و منصب میں کمی کے خوف سے توحید پر عمل کو ترک کر دیا مثلاً اسے مشرکین کے درمیان مقام و مرتبہ حاصل ہو اور توحید پر عمل کرنے کی وجہ سے اسے سماجی رتبہ کم ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کی مثال ابو طالب کی حالت ہے۔ وہ جانتے تھے کہ حق وہی ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں لیکن انہوں نے توحید کو اس ڈر سے چھوڑ دیا کہ لوگوں میں ان کی حیثیت کم ہو جائے گی۔ انہوں نے اپنے مشہور قصیدے میں کہا ہے:

ولقد علمت بأن دين محمد   من خير أديان البرىۃ دينا

لولا الملامۃ أوحذار مسبۃ   لرأيتني سمحا بذاك مبينا

(مجھے معلوم تھا کہ محمد کا دین روئے زمین کا سب سے بہتر دین ہے۔ اگرچہ مجھے ملامت اور گالی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس دین کو کشادہ دلی کے ساتھ کھلم کھلا قبول کر لیتا)

۴۔ جس نے کسی کا دل رکھنے کے لئے یا کسی کی چاپلوسی کے لئے توحید پر عمل نہیں کیا۔

۵۔ جس نے وطن کی لالچ میں توحید پر عمل نہیں کیا مثلاً کوئی شخص اپنے وطن سے محبت کرتا تھا لہذا اس نے توحید پر اس لئے عمل نہیں کیا کہ اسے وطن چھوڑنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

۶۔ جس نے اہل و عیال اور خاندان کی محبت میں توحید پر عمل نہیں کیا۔ اہل و عیال اور خاندان کی محبت توحید پر عمل کرنے اور شرک کا انکار کرنے پر غالب آگئی۔

توحید کو ترک کرنے کے لئے ان میں سے کوئی بھی عذر قابل قبول نہیں ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی ذکر کردہ یہ مثالیں ان کے زمانہ میں موجود تھیں۔ انہوں نے ان عذروں کے باطل ہونے پر ان لوگوں کے واقعہ سے استدلال کیا ہے جنہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا مذاق اڑایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا عذر قبول نہیں کیا۔ اسی پر اوپر ذکر کردہ عذروں کو قیاس کیا جائے گا، اس لئے کہ اوپر کے عذر اس عذر کے مقابلہ زیادہ سنگین ہیں۔

(ب) جس نے توحید کو پہچانا لیکن کسی عذر کی وجہ سے اس پر عمل نہیں کیا:

یہ عذر صرف اس شخص کے حق میں قابل قبول ہوگا جسے کفر کرنے پر مجبور کیا گیا ہو بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، اس لئے کہ دل پر کسی کا جبر نہیں ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر تمام عذر کفر ہیں۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس کے لئے یہ آیت بطور دلیل پیش کی ہے: "من كفر بالله من بعد إيمانه إلا من أُكره وقلبه مطمئن بالإيمان ولكن من شرح بالكفر صدرا" (جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو مگر جو لوگ کھلے دل سے کفر کریں) اس آیت میں کفر کی صرف اس قسم کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

۲۔ جس نے ظاہری طور پر توحید پر عمل کیا اور دل میں اس کا اعتقاد نہیں رکھا۔ یہ وہ شخص ہے جس نے زبان اور اعضاء سے توحید پر عمل کیا لیکن دل میں اس کا اعتقاد نہیں رکھا۔ یہ منافق کا عمل ہے اور وہ پکے کافر سے بھی زیادہ برا ہے۔ العیاذ باللہ

اس کے بعد مصنف رحمہ اللہ نے کتاب کے اختتام پر علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا ہے۔

ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ شیخ رحمہ اللہ کو بہترین بدلہ عنایت کرے۔ والله اعلم وصلّ اللهم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه وسلم